

اصول فقہ و جہ مالیت کی معرکہ الاما کتاب خدای باب القیاس کی شرح

بسم

عطر بنامی

در شرح خدای

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

ابوالحسن محمد عارف محمد بن قادیانی

پروفیسر محکم ہائی انجمن تعلیم الاسلام پاکستان

والضحیٰ پبلی کیشنز

علماء اہلسنت کی کتب Pdf فائل میں حاصل
کرنے کے لئے

”فقہ حنفی PDF BOOK“

چینل کو جوائن کریں

<http://T.me/FiqahHanfiBooks>

عقائد پر مشتمل پوسٹ حاصل کرنے کے لئے

تحقیقات چینل ٹیلیگرام جوائن کریں

<https://t.me/tehqiqat>

علماء اہلسنت کی نایاب کتب گوگل سے اس لنک

سے فری ڈاؤن لوڈ کریں

<https://archive.org/details/@zohaibhasanattari>

@zohaibhasanattari

طالب دعا۔ محمد عرفان عطاری

زohaib حسن عطاری

جملہ حقوق محفوظ ہیں

عطائی در شرح حسامی

الضیاء
پبلکیشنز

سیل پوائنٹ

مکتبہ فیضانِ مدینہ

نزد فیضانِ مدینہ، مدینہ ٹاؤن فیصل آباد

0311-3161574

والضحیٰ پبلکیشنز

بادیہ ٹیئر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور پاکستان

0300-7259263, 0315-4959263

مصنف : علامہ محمد عارف محمود قادری

محمد صدیق الحسنات ڈوگر، ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور

تاریخ اشاعت : اکتوبر 2017ء صفر المظفر 1439ء

200/=

تیت :

فہرست

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
2	باب القیاس		تقریظ
10	رکن قیاس	3	شرائط قیاس
13	قیاس کے مقدم ہونے کا بیان	12	استحسان کا بیان
21	مبحث حکم قیاس	18	تخصیص علت
26	ممانعت کا بیان	24	دفع قیاس کی بحث
31	مناقضہ کا بیان	29	فساد وضع کا بیان
42	قلب تسویہ	37	معارضہ کا بیان
48	فصل فی الترجیح	44	معارضہ خالصہ کا بیان
56	احکام مشروعہ	49	وجہ ترجیح کا بیان
62	سبب کا بیان	58	حقوق اللہ کی اقسام
69	علت کا بیان	65	ضمان کی اقسام
75	نصاب اور مرض الموت	70	اہلسنت اور معتزلہ کا اختلاف
84	علامت کا بیان	78	شرط کا بیان
90	اہلیت کا بیان	85	عقل کا بیان
93	اہلیت اداء کا بیان	91	اہلیت وجوب
95	مجبور کا حکم	94	اہلیت قاصرہ پر تفریعات

100	جنون کی اقسام	98	عوارض سماویہ کا بیان
103	صغر کا بیان	101	جنون غیر ممتد کے احکام
107	صبی عاقل اور معتوہ عاقل	105	عیشہ کا بیان
109	نوم کا بیان	108	نسیان کا بیان
111	رق کا بیان	110	اغناء کا بیان
116	ملکیت کی قسمیں	113	اعتاق کا حکم
127	موت کا بیان	123	مرض کا بیان
134	عوارض مکتبہ کا تفصیلی بیان	128	احکام دنیا کی تفصیل
142	ہزل کا بیان	140	سکر کا بیان
151	خطاء کا بیان	149	سفہ کا بیان
154	اکراہ کا بیان	152	سفر کا بیان
163	حروف معانی کا بیان	160	قاعدہ کلیہ
181	حروف شرط	177	حروف جارہ کا بیان
	مصنف کی دیگر کتب	183	خاتمہ

ابتدائیہ و غطر لفظ

تاریخ اصول فقہ

الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ وَعَلٰی آلِهِ وَصَحْبِهِ وَاهْلِ بَيْتِهِ الَّذِيْنَ اَوْفَوْا عَهْدَهُ.

اما بعد! اصول فقہ و فقہ شریف یکے بعد دیگرے معرض وجود میں آئے کیونکہ استنباط کے ذریعے ہی مسائل فقہ اخذ کیے گئے ہیں۔

وصال نبوی ﷺ کے بعد اجلہ فقہاء صحابہ کرامؓ کو استنباط کی ضرورت پیش آتی تھی، بسا اوقات بیان مسائل کے ساتھ ساتھ اصول و ضوابط بھی اور قواعد کلیہ بھی ذکر کر دیا کرتے تھے۔

امیر المؤمنین مولیٰ المسلمین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الاسنی نے شراب نوشی کی سزاء کا مسئلہ اصولی انداز پر یوں بیان فرمایا:

”اِنَّهٗ اِذَا شَرِبَ هٰذِیْ وَ اِذَا هٰذِیْ قَذَفَ فِیْجِبُ حَذَّ الْقَذَفِ“

یعنی جب کوئی آدمی شراب نوشی کریگا تو اول قول بکے گا اور جب اول قول بکے گا تو دوسروں پر تہمت لگائے گا لہذا اس پر حد قذف (بہتان تراش کی سزاء) واجب ہوگی یعنی بہتان تراشی کی سزاء پر شراب نوشی کو اصولی طور پر قیاس کر لیا جس پر اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو چکا ہے۔

افقہ الصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد الخلفاء الراشدہ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اصولی ضابطہ کے تحت حاملہ بیوہ کی عدت وضع حمل قرار دی اور اس پر قسم اٹھائی فرمایا کہ ”اُولَاتِ الْاِحْمَالِ اَجْلِهِنَّ اِنْ یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ“

بعد میں نازل ہونے کی وجہ سے نسخ اور اس کے ذریعے پہلی آیت کریمہ والذین
یتوفون یتوفون منکم ویذرون“ منسوخ ہو گئی۔

عہد تابعین میں اجلہ اکابر علماء ربانینین و فقہاء اصولین پیدا ہوئے جنہوں
نے اسلامی فقہ کو اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ ابراہیم نخعی، سعید ابن مسیب، اسود و علقمہ ز کتاب و
سنت کے علاوہ اصحاب فتویٰ صحابہ کرام کے فتوؤں سے استفادہ کرنے کے ساتھ ساتھ
انہی کے اصول و قواعد کے ذریعے قیاس بھی فرماتے تھے۔

آئمہ مجتہدین میں سے آئمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی و
امام ابن حنبل رحمۃ اللہ نے اجتہادی مسائل میں خوب کاوشیں کیں۔ قرآن و سنت
سرچشمہ قواعد بنائے اور اپنی انتھک محنت سے اصول فقہ و قواعد فقہ مرتب کیے۔

امام لآئمہ امام اعظم ابو حنیفہ قدس سرہ اولاً قرآن مجید ثانیاً سنت رسول ﷺ
اور ثالثاً اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور پھر قیاس سے مسائل شریعہ واضح کرتے
تھے۔ قرآن کے بعد اجماع صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آپ کی آنکھیں بند تھیں، مگر
اولین تابعین میں سے ہونے کی وجہ سے آپ طبقہ تابعین کے بارے فرماتے تھے
”ہم رجال و نحن رجال“ یعنی ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں۔

امام مالک اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مدینہ النبی علی صاحبہا الصلوٰۃ
والسلام کے باشندگان تھے ان کے اصول و قواعد پر فتوے جاری کرتے تھے۔

امام محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمہ کو یہ شرف حاصل ہے انہوں نے
”الرسالہ“ نامی کتاب قواعد فقہ پر مرتب فرمائی جو باقاعدہ پہلی کتاب تھی اس کے علاوہ
انہی کے پیروکاروں میں امام غزالی قدس سرہ... المستصفی“ اور اس کی شرح مرتب کی۔

”الرسالہ“ اس لیے بھی زیادہ گہرائی کا حامل ہے کہ اس کے مصنف امام شافعی عربی النسل قریشی تھے اور عالم مدینہ امام مالک قدس سرہ اور محرر مذہب حنفیہ امام محمد بن حسن شیبانی قدس سرہ سے استفادہ کر چکے تھے۔

اس کے بعد اس فن شریف نے ترقی کی، امام شافعی نے اپنے اصولوں پر مسائل کی بنیاد رکھ کر ”فقہ شافعی“ مرتب کی، پھر یہ علم اصول فقہ ذومکتبوں میں بٹ گیا اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ اصول الشافعیہ والمتکلمین، ۲۔ اصول الحنفیہ

اصول الحنفیہ میں اولاً جزئیات کو جمع کیا جاتا ہے ثانیاً بطور استقراء کوئی قاعدہ ان سے مستنبط کیا جاتا ہے۔ اصول حنفیہ کی اولین کتاب ابوالحسین علی آمدی قدس سرہ متوفی ۶۳۱ھ نے ”الاحکام فی اصول الاحکام“ لکھی اور امام ابو بکر رازی قدس سرہ ۳۱۰ھ کی کتاب ہے۔

علامہ دبوسی متوفی ۴۳۰ھ نے مختصر رسالہ قلمبند کیا۔ امام فخر الاسلام بزدوی قدس سرہ ۴۸۳ھ نے ”اصول بزدوی“ تالیف کیے، امام الائمہ سرخسی نے ”اصول سرخی“ مفصل طور پر لکھے، علامہ نظام الدین نے درسی کتاب اصول شاشی اور ملا جیون ہندی نے ”نور الانوار“ جبکہ علامہ حسامی قدس سرہ السامی نے حسامی اور علامہ محبت اللہ بہاری نے ”مسلم الثبوت“ جبکہ علامہ عبید اللہ مسعودی قدس سرہ نے ”تنقیح“ اور اس کی شرح ”توضیح“ جبکہ علامہ سعد الدین تفتازانی نے ”تلوٹ“ جیسی شاندار شرح لکھی ہے۔

اس بندہ ناچیز کو اصول شاشی، نور الانوار، حسامی، مسلم الثبوت اور توضیح تلوٹ کا درس استاذ العلماء شیخ الفضلاء پیر طریقت علامہ محمد عصمت اللہ شاہ قادری عباسی

قرس سرہ، مَحَوِّی ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ / ۲۵ مارچ ۲۰۱۴ء سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا تو احباب کثیرہ کی درخواست پر ہُستامی ”باب القیاس“ نصابی حصہ از تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کا ترجمہ و تشریح آسان انداز پر کر دیا تا کہ علماء مدرسین و طلباء محلمین استفادہ کر سکیں۔ اس میں جو خوبی ہے وہ اساتذہ فن کا فیض ہے اور جو کمی کوتاہی ہے وہ بندہ ناچیز کے علم کی کمی ہے۔ بزرگان ملک و ملت سے استدعا ہے کہ اس پر خصوصی نظر شفقت فرمائیں تا کہ دیگر کتابوں پر کام کرنے کا جذبہ ملے۔ واللہ اعلم بالصواب کیشنز والے ساتھیوں کی فرمائش پر انہیں شائع کرنے کی اجازت دے رہا ہوں تا کہ افادہ و استفادہ ہو سکے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم
 ابو الحسنین محمد عارف محمود القادری الحنفی الرضوی العطار
 ۱۵ شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ جمعۃ المبارک
 ۱۲ مئی ۲۰۱۷ء

تقریظ جمیل

از قلم :- اُستاذ الاساتذہ، علامہ حافظ عبدالستار قادری سعیدی مدظلہ العالی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ واهل بیتہ
اجمعین !

اما بعد! امام الاصول حضرت علامہ حتام الدین محمد بن محمد بن عمر
الاحسیکی m کی شہرہ آفاق کتاب مستتاب ”حُسامی“ کے باب ”باب القیاس“ کی
اُردو میں جامع تر شرح ”عطرنامی شرح حُسامی“ عزیز القدر فاضل جلیل حضرت علامہ
مفتی وحکیم محمد عارف محمود خان قادری رضوی مدظلہ العالی کے رُشحات قلم کا عطر بیز مجموعہ
ہے جامعات و مدارس اہل سنت کے اساتذہ کرام و طلباء عظام کیلئے انتہائی نفع بخش
خزانہ ہے مصنف و شارح کا فیضان بلند تر ہو آمین بجاہ النبی الامین ﷺ

علیہ السلام
18/10

» باب القیاس

یہ باب پانچ مباحث پر مشتمل ہے:

(۱) بحث نفس القیاس۔

(۲) بحث شرائط القیاس۔

(۳) بحث رکن القیاس۔

(۴) بحث حکم القیاس۔

(۵) بحث دفع القیاس۔

بحث نفس القیاس

اس بحث میں نفس قیاس یعنی قیاس کے لغوی اور شرعی معنی اور وجہ تسمیہ بیان کی گئی ہے۔
لغوی معنی:

اس کے لغوی معنی میں اختلاف ہے علامہ ابن حاجب اور ان کے متبعین کے نزدیک ”المساواة“ ہے یعنی دو چیزوں کا باہم برابر ہونا جبکہ اکثر اہل لغت کے نزدیک ”التقدير“ ہے یعنی اندازہ کرنا اور یہی رائج ہے جیسے کہا جاتا ہے ”قس النعل بالنعل“، اس جوتے کو اس جوتے سے ناپ لو۔

اصطلاحی معنی:

﴿تقدير الفرع بالاصل في الحكم والعلة﴾

ترجمہ: فرع کو حکم اور علت میں اصل جیسا بنانا۔

وجہ تسمیہ:

فقہاء جب اصل جیسا حکم فرع میں ظاہر کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں ہم نے قیاس کیا ہے۔
چنانچہ یہ عمل قیاس کے نام سے مشہور ہو گیا۔

بحث شرائط القیاس

اس بحث میں قیاس کی شرائط بیان کی گئی ہیں۔ کل شرائط قیاس چار ہیں۔

جن میں سے دو ”عدی“ اور دو ”جودی“ ہیں۔

شرط اول:

اصل کسی دوسری نص کے ذریعے اپنے حکم کے ساتھ خاص نہ ہو۔

مثلاً: حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تنہا گواہی دو افراد کی گواہی کے برابر ہے۔ اس حکم

میں حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسری نص کے ذریعے خاص ہیں کہ حضور اکرم

ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿مَنْ شَهِدَ لَهُ خَزِيمَةٌ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ لہذا ان پر دوسرے صحابہ کرام

علیہم الرضوان کو قیاس نہیں کیا جائے گا اگرچہ وہ مرتبہ میں زیادہ ہوں۔

شرط ثانی:

اصل خلاف قیاس نہ ہو۔

مثلاً: مطلق نماز میں قہقہہ ناقض وضو ہے۔ چونکہ خروج نجاست سے ہی طہارت زائل ہوتی

ہے۔ اور قہقہہ میں خروج نجاست نہیں پایا جاتا ہے اس کے باوجود مطلق نماز میں اس کا ناقض وضو

ہونا خلاف قیاس ہے۔ اس لئے اس پر سجدہ تلاوت اور نماز جنازہ کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔

شرط ثالث:

جو حکم شرعی نص سے اصل میں ثابت ہو اسی جیسا حکم بغیر کسی تبدیلی کے ایسی فرع میں

ثابت کیا جائے جو اصل کی نظیر ہو اور اس میں کوئی نص وارد نہ ہوئی ہو۔

نوٹ:

یہ شرط چار اجزاء پر مشتمل ہے۔ کوئی ایک جزء بھی اگر مفقود ہو تو قیاس درست نہیں ہوگا۔

(۱) حکم متعدی حکم شرعی ہو۔

(۲) حکم بغیر کسی تبدیلی کے متعدی ہو۔

(۳) فرع اصل کی نظیر ہو۔

(۴) فرع میں کوئی نص وارد نہ ہوئی ہو۔

جزء اول کی مثال:

شوائع خمر کے لغوی معنی پر قیاس کرتے ہوئے ہر مسکر (نشہ آور چیز) کو خمر کا نام دیتے ہیں یہ قیاس غلط ہے۔ کیونکہ اس صورت میں حکم متعدی حکم لغوی ہوگا نہ کہ شرعی۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ ”خمر کے لغوی معنی ہیں ﴿مایخامرا لعقل﴾ ہر وہ چیز جو عقل کو ڈھانپ دے بعض شوائع اس لغوی معنی پر قیاس کرتے ہوئے ہر مشروب جو حد سکر کو پہنچ جائے اسکو بھی خمر قرار دیتے ہیں اور اس کے لئے خمر کے احکام حد ثابت کرتے ہیں۔

جزء ثانی کی مثال:

شوائع مسلمان کے ظہار پر قیاس کرتے ہوئے ذمی کے ظہار کو درست مانتے ہیں۔ یہ قیاس غلط ہے کیونکہ اس صورت میں اصل کا حکم فرع میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس لئے کہ مسلمان کے اظہار کا حکم

”حرمت موقتہ“ ہے۔ (یعنی ایسی حرمت ہے جو وقتی طور پر ہوتی ہے کفارہ ادا کرنے سے ساقط ہو جاتی ہے) اگر ذمی کے ظہار کو درست مان لیا جائے تو اس کے ظہار کا حکم ”حرمت موبدہ“ (دائمی حرمت) ہوگا جو کسی طور پر ساقط نہیں ہوگی۔ کیونکہ اہل کفر کفارہ کے اہل نہیں ہیں اس لئے کہ کفارہ من وجہ عبادت بھی ہے۔ جو کہ انسان کو پاک کر دیتا ہے۔ جبکہ کفار عبادت کرنے کے اہل نہیں ہیں۔

جزء ثالث کی مثال:

شوائع ناسی (بھول کھانے پینے والا) پر قیاس کرتے ہوئے خاظمی (بلا اختیار غلطی سے

حلق سے نیچے پانی وغیرہ اتارنے والا) اور مکروہ (جیسے زبردستی کھلایا پلایا گیا ہو) کے روزے کو درست مانتے ہیں۔ ان کی دلیل ہے کہ ناسی کو اگرچہ روزہ دار ہونا یا نہیں رہتا ہے لیکن وہ بلا اختیار کھاتا پیتا ہے۔ جبکہ آخری دونوں بے اختیار ہوتے ہیں۔ اس لئے ان دنوں کا عذر ناسی کے عذر سے اولیٰ ہے۔ تو یہ قیاس غلط ہے۔ کیونکہ اس میں فرع اصل کی نظیر نہیں ہے اسلئے کہ اصل (ناسی) کا عذر صاحب حق (یعنی اللہ تعالیٰ) کی جانب سے ہوتا ہے۔ جس کو دور کرنا بندے کیلئے ناممکن ہوتا ہے۔ جبکہ خاٹمی اور مکروہ کا عذر انہی کی جانب منسوب ہوتا ہے۔ جس کو دور کرنا ممکن ہوتا ہے یوں ان کا عذر ادنیٰ ہے۔ لہذا فرع اصل کی نظیر نہیں ہے۔

جزء رابع کی مثال:

امام شافعی علیہ الرحمہ کفارہ قتل پر قیاس کرتے ہوئے کفارہ ظہار و یمین میں بھی رقبہ مومنہ کی شرط لگاتے ہیں۔ یہ قیاس غلط ہے۔ کیونکہ فرع میں نص پہلے ہی سے موجود ہے اور وہ مطلق ہے۔ لہذا اسکو مطلق ہی رکھا جائے گا۔

اسی طرح امام شافعی علیہ الرحمہ کفارہ کو زکوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ جیسے کفار کو زکوٰۃ دینا ناجائز ہے ایسے ہی ان کو کفارہ دینا بھی ناجائز ہے۔ یہ قیاس بھی غلط ہے۔ کیونکہ فرع (کفارہ) میں نص پہلے سے موجود ہے۔ اور وہ مطلق ہے جس میں مصرف کے لئے ایمان کی شرط نہیں ہے۔ لہذا اسے مطلق رکھا جائے گا۔

شرط رابع:

تعلیل (یعنی اصل سے فرع میں حکم ثابت کرنے) کے بعد حکم اسی حال پر باقی رہے جیسے تعلیل سے پہلے تھا اس شرط رابع کی رو سے شواہد کی جانب سے چند اعتراضات کئے گئے ہیں جن کے مدلل جوابات دئے گئے ہیں۔

حدیث پاک میں ﴿لَا تَبِعُوا الطَّعَامَ بِالطَّعَامِ إِلَّا سَوَاءٌ بِسَوَاءٍ﴾
 (تم غلے کو غلے کے بدلے نہ پیچو مگر برابر برابر) یہ حدیث حرمت ربوا میں مطلق ہے کہ غلہ
 تھوڑا ہو یا زیادہ اگر علت ربوا پائی جائے تو اس کی بیع و شراء حرام ہے۔ لیکن آپ لوگوں نے
 نصف صاع سے کم میں تفاضل کے ساتھ بیع و شراء کو جائز قرار دیا ہے جس سے اصل کے حکم
 میں تغیر لازم آیا ہے!

جواب:

جواب سے پہلے حدیث مبارکہ کی ایک نحوی قاعدہ کی رو سے وضاحت ضروری ہے۔
 قاعدہ ہے کہ ”مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہونا چاہیے“ جبکہ حدیث مبارکہ میں مستثنیٰ مستثنیٰ منہ
 کی جنس سے نہیں ہے۔ لہذا مستثنیٰ یا مستثنیٰ منہ میں تاویل کرنی ہوگی۔ شوافع مستثنیٰ میں تاویل
 کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کی تقدیری عبارت ہے ﴿لَا تَبِعُوا الطَّعَامَ بِالطَّعَامِ﴾
 الا طعاما مساویا بالطعام

ہم مستثنیٰ منہ میں تاویل کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک تقدیری عبارت ہے ”لَا تَبِعُوا الطَّعَامَ
 بِالطَّعَامِ فِي حَالِ مَنْ الْاَحْوَالِ الْاَلَا فِي حَالِ الْمَسَاوَاةِ“ اب ہمارا جواب یہ ہے کہ عرف میں
 متداول احوال تین ہیں مساوات، مجازفہ، مفاضلہ، یہ تینوں زیادہ کے احوال ہیں ان میں
 سے مساوات جائز ہے باقی دو نہی کے تحت داخل ہیں۔ رہا قلیل تو اسکا ذکر نہ تو مستثنیٰ منہ میں
 ہے نہ مستثنیٰ میں بلکہ اس بارے میں سکوت ہے۔ لہذا قلیل اپنی اصل (اباحت) پر باقی رہا
 چنانچہ نصف صاع سے کم میں تفاضل کے ساتھ بیع و شراء جائز ہے معلوم ہوا کہ حکم میں
 تغیر دلالت النص سے ثابت ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ اس میں تعلیل بھی مد نظر رہی ہے۔

دوسرا اعتراض:

حدیث پاک میں پانچ اونٹ کی زکوٰۃ میں ایک بکری ادا کرنے کا حکم ہے جبکہ آپ احناف

اسکی علت کے پیش نظر بکری کی جگہ اسکی قیمت یا دیگر ضروریات زندگی ادا کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ جس سے اصل کے حکم میں تغیر لازم آتا ہے!

جواب:-

یہ تغیر دلالت النص سے ثابت ہے۔ نہ کہ تعلیل کی وجہ سے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے رزق کا وعدہ فرمایا ہے۔ ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ اَلَا عَلَيْنَا رِزْقُهَا الْاٰیَةُ﴾ چنانچہ فقراء کے لئے وعدہ رزق کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تمام مالداروں پر واجب قرار دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اپنے معین مال (مثلاً سونا، چاندی، اونٹ، گائے، بکری وغیرہ بقدر نصاب) میں سے زکوٰۃ نکالیں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ انسان کی تمام ضروریات زندگی کو شامل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم ﴿وَآتُوا الزَّكٰوةَ الْاٰیَةُ﴾ میں ہی از روئے دلالت النص معین زکوٰۃ (مثلاً بکری وغیرہ) کو تبدیل کرنے (کہ اس کے بجائے دیگر ضروریات زندگی میں سے کوئی چیز کپڑے وغیرہ) کی اجازت موبود ہے۔ اگر معین زکوٰۃ (بکری وغیرہ) کو ہی ضروری قرار دیں تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ کیونکر پورا ہوگا۔ کیونکہ کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ بھی بہت سی اشیاء بنیادی زندگی کیلئے ضروری ہیں۔

تیسرا اعتراض:

حدیث پاک میں ناپاک کپڑے کو پانی سے دھونے کا حکم ہے ﴿ثُمَّ اغْسِلِيْ بِالسَّاءِ اَوْ مَاءٍ﴾ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام ﴿جَبَكْ اَبَ اَحْتَا فِ دِیْگَر مَآئِعِ اَشْیَاءِ سَے بَہِی نَجَاسَتِ کُوزَاکِلِ کَرْنَا جَا نَزَقَرَار دِیْتِے ہِیں۔ جس سے اصل کے حکم میں تغیر لازم آتا ہے!

جواب:-

یہ تغیر دلالت النص سے ثابت ہے۔ کیونکہ نجاست کو زائل کرنا واجب ہے (خواہ بدن سے ہو یا کپڑے سے وغیرہ) اور پانی بھی نجاست زائل کرنے کا ایک آلہ ہے۔ اس کو اسی

طور پر ذکر فرمایا ہے جیسا کہ اونٹ کی زکوٰۃ میں بکری کا ذکر ہے۔ چنانچہ ہر وہ پاک مانع جس سے نجاست کا ازالہ ممکن ہو مذکورہ نص سے ازروئے دلالت النص ثابت ہے۔ مثلاً گلاب کا پانی، سرکہ وغیرہ۔

چوتھا اعتراض:

حدیث پاک میں نماز تکبیر سے شروع کرنے کا حکم ہے تحریمھا التكبیر جبکہ آپ احناف غیر تکبیر مثلاً اللہ اکبر وغیرہ سے بھی افتتاح صلوٰۃ کو جائز کہتے ہیں جس سے اصل کے حکم میں تغیر لازم آتا ہے!

جواب:

یہ تغیر دلالت النص سے ثابت ہے۔ کیونکہ نماز میں جسم کے ہر عضو سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرنا واجب ہے۔ بعینہ تکبیر واجب نہیں ہے بلکہ تکبیر کو یوں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ بھی زبان سے تعظیم کرنے کا ایک آلہ ہے۔ چنانچہ ہر وہ لفظ جس کے ذریعے زبان فعل تعظیم ادا کر سکے اس سے افتتاح صلوٰۃ جائز ہے۔

پانچواں اعتراض:

حدیث پاک میں کفارہ صوم کو صرف جماع کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ اور آپ حضرات نے حکم (کفارہ) کی علت روزہ توڑنے کو بیان کیا ہے اور عدا کھانے پینے پر بھی کفارے کو واجب قرار دیا تو اس سے اصل کے حکم میں تغیر پیدا ہو گیا۔ کیونکہ اصل (یعنی نص) میں تو صرف جماع کو کفارے کی علت قرار دیا گیا ہے۔

جواب:

یہ تغیر دلالت النص سے ثابت ہے۔ کیونکہ کفارے کی علت عدا افطار ہے اور جماع ایسا آلہ ہے جو فطر کا سبب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے کیونکہ یہ روزہ ٹوٹنے کے تین افراد اکل

شرب اور جماع میں سے ایک فرد ہے اسی صلاحیت کی بناء پر اس کو اصل میں ذکر کیا گیا ہے۔
نکتہ:

جیسا کہ واضح ہے کہ زکوٰۃ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے فرض کی ہے تو اسی کا حق ہے اس کے قبضہ قدرت میں جانے کے بعد نیابتاً فقراء کے قبضے میں پہنچتی ہے۔
امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

﴿انما الصدقات للفقراء﴾ میں لام تملیک کا ہے۔ یہ لام دلالت کرتا ہے کہ زکوٰۃ پر تمام مصارف کا استحقاق ہے۔ چنانچہ جب تک مشترکہ طور پر تمام مصارف کو زکوٰۃ کا مالک نہ بنا دیا جائے زکوٰۃ اداء نہ ہوگی۔

احناف فرماتے ہیں:

زکوٰۃ اولاً اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں جاتی ہے پھر ثانیاً اسی حال میں فقراء کے قبضے میں جاتی ہے (اور جب تک فقراء کے قبضے میں ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کے دست قدرت میں بھی باقی رہتی ہے) لہذا لام تملیک کا نہیں بلکہ عاقبت کا ہے۔ کہ قبضہ قدرت میں جانے کے بعد آخر میں فقراء کو ملتی ہے۔

یا لام عاقبت کا اس لئے ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کو اپنے لئے واجب کیا ہے تو اداء کردہ زکوٰۃ اولاً قبضہ قدرت میں جاتی ہے پھر جب وہ قبضہ قدرت میں جانے کے بعد صدقہ بن جاتی ہے تو آخر میں اللہ تعالیٰ واجب قرار دیتا ہے کہ وہ صدقہ فقراء کو دیا جائے۔

ایک مثال سے وضاحت:

تمام مصارف کی مثال کعبہ معظمہ کی طرح ہے کہ جیسے پورا کعبہ معظمہ قبلہ ہے ایسے ہی اس کا ہر جز قبلہ ہے۔ پورا خانہ کعبہ سامنے ہو یا اس کا کوئی جزء بہر صورت نماز اداء ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی زکوٰۃ تمام مصارف کو دی جائے یا کسی ایک کو بہر طور اداء ہو جاتی ہے۔ الحاصل

مصارف کو اصحاب حاجت کے طور پر ذکر کیا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مبحث رکن القیاس

رکن القیاس:

ما جعل علما علی حکم النص مما اشتمل علیہ النص وجعل الفرع نظیر الہ فی حکمہ بوجودہ فیہ
یعنی رکن اصل اور فرع کے درمیان وہ علت جامعہ ہے جسے اصل کے حکم پر علامت بنایا گیا
ہو اس حال میں کہ یہ ان چیزوں میں سے ہو جن پر نص مشتمل ہوتی ہے اور فرع کو (کہ اس
میں) اس علت کے پائے جانے کی وجہ سے اصل کی نظیر بنایا گیا ہو حکم میں۔ (یعنی اس کا بھی
حکم اصل جیسا ہو)

فائدہ:

یہی وہ علت ہے جس کا قیاس میں اعتبار کیا جاتا ہے۔

فائدہ:

اس تعریف سے معلوم ہوا ارکان قیاس چار ہیں اصل، فرع، حکم، اور علت اگرچہ اصل
رکن علت ہی ہے۔

فائدہ:

نص میں علت کبھی صراحتاً پائی جاتی ہے جیسے قولہ ﷺ لیس بخسة لا تخامن الطوافین
الحج اس میں عدم نجاست کی علت طواف صراحتاً موجود ہے۔ اور کبھی اشارۃً پائی جاتی ہے
جیسے ﴿لا تتبعوا الطعام بالطعام الا سواء بسواء﴾ اس میں حرمت کی علت قدر و جنس
اشارۃً ہے۔

شروط الرکن:

صحت رکن (یعنی علت) کے لئے دو شرطیں ہیں

(۱) صلاحیت (۲) عدالت

صلاحیت:

اس سے مراد یہ ہے کہ علت ان علتوں کے موافق ہو جو حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اسلاف کرام علیہم الرضوان سے منقول ہیں۔ ورنہ اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ اگر موافق ہو مگر عدالت نہ پائی جائے تو اس پر عمل کرنا محض مباح ہوگا۔

مثال:

امام شافعی علیہ الرحمۃ کے نزدیک لڑکی پر حق ولایت کی علت ”بکارت“ ہے لہذا صغیرہ اگر ثیبہ ہو تو اس پر حق ولایت حاصل نہیں ہوگا۔

ہمارے نزدیک لڑکی پر حق ولایت کی علت صغر ہے۔ لہذا بعد طلاق صغیرہ ثیبہ کا جبراً نکاح کیا جاسکتا ہے۔ یہ صغیرہ ہونے میں صغیرہ باکرہ کے مشابہ ہے کہ دونوں میں علت ”صغر“ موجود ہے۔

صغر علت صالحہ ہے:

صغر کو اس لئے علت قرار دیا ہے کہ اس میں عجز پایا جاتا ہے۔ صغیرہ اپنے معاملات میں اچھائی اور برائی کی تمیز کرنے سے عاجز ہوتی ہے۔ اور یہ علت حدیث السہوۃ لیس بنجستۃ الخ میں مذکور علت ”طواف“ کے موافق ہے۔ کیونکہ طواف کو بھی عجز کی بناء پر علت قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ بلی سے برتن وغیرہ محفوظ رکھنے میں انسان عاجز ہوتا ہے۔ اور نجاست کا حکم دیا جاتا تو حرج لازم آتا۔ لہذا ثابت ہوا صغر علت صالحہ ہے۔

عدالت:

اس سے مراد یہ ہے کہ اس علت کا اثر نص یا اجماع کے ذریعے کسی نہ کسی حکم میں ظاہر

ہو چکا ہو۔ علت میں عدالت پائی جائے تو ہمارے نزدیک اس پر عمل کرنا واجب ہے۔
مثال:

ولی کو صغیر کے مال پر ولایت کا حق حاصل ہوتا ہے یہ حق صغیر کی وجہ سے حاصل ہوا ہے
لہذا صغیر کے مال پر حق ولایت ”صغر“ کا اثر ہے۔ اس کی وضاحت اس مثال سے بھی ہوتی
ہے کہ گواہ کی عدالت اس وقت معلوم ہوتی ہے کہ جب اس پر دین کا اثر ظاہر ہو اور وہ ہے
منہیات شرعیہ سے اجتناب، (کیونکہ گواہ کی عدالت ”دین“ ہے اور اس کا اثر منہیات شرعیہ
سے اجتناب ہے)

چونکہ ہمارے نزدیک علت اپنے اثر کی وجہ سے علت قرار پاتی ہے اسلئے ہم قیاس پر اس
استحسان کو ترجیح دیتے ہیں جس کا اثر قوی ہو۔

استحسان کا بیان

لغوی معنی:

استحسان کا لغوی معنی ہے ﴿عدا لشیء حسان﴾ یعنی کسی چیز کو اچھا جاننا۔

اصطلاحی معنی:

هو دلیل من الادلة الاربعه يعارض القياس الجلی و یحمل به اذا كان اقوی منه
ترجمہ:

استحسان ادلہ اربعہ میں سے وہ دلیل ہے جو قیاس جلی کے مد مقابل آتی ہے اور زیادہ قوی
ہونے کی صورت میں قابل عمل ہوتی ہے۔

فائدہ:

استحسان دلائل اربعہ میں سے چوتھی قسم قیاس ہی کی قسم ہے

فائدہ:

قیاس جلی اور قیاس خفی میں سے ہر ایک کے دو دواثر ہوتے ہیں۔

(۱) اثر ظاہر (۲) اثر باطن

ان میں سے جس کا اثر باطن قوی ہوگا اس کو دوسرے پر ترجیح دی جائے گی۔

قیاس کے مقدم ہونے کا بیان

تمہید:

اگر نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی اور رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت کر لی تو سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا۔ اس مسئلے میں قیاس اور استحسان کے درمیان تعارض ہے۔ قیاس کا تقاضہ ہے کہ رکوع میں سجدہ ادا ہو جائے جبکہ استحسان کا تقاضہ ہے کہ ادا نہ ہو۔ یاد رہے سجدہ تلاوت عبادت غیر مقصودہ ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی نذر ماننا صحیح نہیں ہے۔ اب قیاس و استحسان کے دلائل ملاحظہ کیجئے!

دلیل قیاس:

رکوع اور سجدہ خشوع و خضوع میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں سجدہ کو رکوع سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے ”وخرراکعاً واثاب“ یہاں رکوع سے سجدہ مراد ہے کیونکہ خریخر خرورا کا معنی ”زمین پر گرنا“ ہے اور رکوع زمین پر گر کر ادا نہیں کیا جاتا۔

دلیل استحسان:

ہمیں شرع نے سجدے کا حکم دیا نہ کہ رکوع کا۔ اور سجدہ اور رکوع دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نماز میں رکوع کی جگہ سجود اور سجود کی جگہ رکوع نہیں کئے جاسکتے۔

دونوں دلائل کا اثر ظاہر:

استحسان کا اثر ظاہر بظاہر قوی ہے تاہم اس کا باطنی اثر ضعیف ہے۔ جبکہ قیاس کا اثر ظاہر

بظاہر ضعیف ہے۔ کیونکہ اسکی بنیاد مجاز پر ہے۔ کہ کلام مجید میں سجدے کو مجازاً رکوع کہا گیا ہے لیکن اسکا اثر باطن قوی ہے۔

دونوں دلائل کا اثر باطن:

استحسان کا اثر باطن ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں سجدہ تلاوت کو سجدہ صلوٰۃ پر قیاس کیا گیا ہے۔ جو کہ قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ فرع اصل کی نظیر نہیں ہے۔ کہ سجدہ تلاوت عبادتِ غیر مقصودہ ہے۔ جبکہ قیاس کا اثر باطن قوی ہے۔ کہ سجدہ تلاوت عبادتِ غیر مقصودہ ہے جسکا مقصد محض تواضع کا اظہار ہے۔ اور رکوع میں بھی یہی عمل ہوتا ہے۔ لہذا رکوع کو سجدہ تلاوت کے قائم مقام بنانا جائز ہے۔ تاہم سجدہ صلوٰۃ اور رکوع غیر نماز میں عبادت نہیں ہوتے ہیں لہذا ان کو سجدہ تلاوت کے ضمن میں اداء نہیں کیا جاسکتا۔

فائدہ:

ایسے مسائل جہاں قیاس کو استحسان پر مقدم کیا جاتا ہے وہ بہت کم ہیں۔ جبکہ ایسے مسائل جہاں استحسان کو قیاس پر مقدم کیا جاتا ہے وہ بے شمار ہیں۔ (فمن شاء الاطلاع فلیرجع الی الہدلیہ)

استحسان کی اقسام

استحسان بھی نص سے حاصل ہوتا ہے کبھی اجماع سے کبھی ضرورت سے اور کبھی قیاس خفی سے حاصل ہوتا ہے۔

اس طرح استحسان کی چار قسمیں بنتی ہیں:

(۱) استحسان بالاثار۔

(۲) استحسان بالاجماع۔

(۳) استحسان بالضرورت۔

(۴) استحسان بالقیاس الٹھی۔

ان میں سے استحسان بالقیاس الٹھی کا حکم فروع کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ مکمل طور پر قیاس ہوتا ہے۔ تاہم بقیہ تینوں کے احکام کسی علت کے پیش نظر ثابت نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ خلاف قیاس ہوتے ہیں۔

استحسان بالاثار:

نص سے حاصل شدہ وہ دلیل جو قیاس کے مخالف ہو۔ اس سے حاصل ہونے والے حکم کو محسن بالاثار کہتے ہیں۔

جیسے بیع سلم (وہ بیع جس میں ثمن فوری اداء کیا جائے اور بیع تاخیر سے حوالے کیا جائے) یہ بیع درحقیقت بیع معدوم ہے اور بیع معدوم ناجائز ہوتی ہے۔ لہذا قیاس کا تقاضہ تھا کہ یہ ناجائز ہو لیکن یہاں قیاس کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ بیع نص سے ثابت ہے۔ قال ع۔ الصلوۃ والسلام من اسلم منکم فلیسلم فی کیل معلوم۔

استحسان بالاجماع:

اجماع سے حاصل شدہ وہ دلیل جو قیاس کے مخالف ہو۔ اس سے حاصل ہونے والے حکم کو مستحسن بالاجماع کہتے ہیں۔

جیسے بیع استصناع جائز ہے۔ (یہ وہ بیع ہے جس میں مشتری بائع سے کوئی چیز بنانے کا کہے اس کی مقدار و صفت کی بیان کر دے، قیمت بھی فوراً اداء کر دے مگر وہ چیز یعنی بیع سپرد کرنے کا کوئی وقت معین نہ کیا جائے) قیاس کا تقاضہ تھا کہ یہ بیع ناجائز ہو کیونکہ یہ بیع معدوم ہے کہ بیع کے وجود سے پہلے ہی اسکی قیمت ادا کر دی جاتی ہے۔ لیکن قیاس کو ترک کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ بیع اجماع سے ثابت ہے۔

استحسان بالضرورة:

ضرورت کے پیش نظر حاصل وہ دلیل جو قیاس کے مخالف ہو۔ اس سے حاصل ہونے والے حکم کو مستحسن بالضرورۃ کہتے ہیں۔

جیسے: حوض، کنواں اور برتن اگر ناپاک ہو جائیں تو حوض و کنواں پانی نکال دینے سے پاک ہو جاتے ہیں اور برتن میں پانی بہا دینے سے برتن پاک ہو جاتے ہیں۔

قیاس کا تقاضہ تھا کہ یہ کبھی پاک نہ ہوں کیونکہ ان سے ناپاک پانی کو اس طرح سے نکال دینا کہ کوئی قطرہ باقی نہ رہے پھر ان پر اس طرح پانی بہانا جیسے کپڑے پر بہاتے ہیں بہت مشکل ہے لہذا ضروری ہے کہ ان کو پاک کرنے کیلئے پاک پانی داخل کیا جائے لیکن یہ اس طرح بھی پاک نہیں ہوں گے کیونکہ پانی ان میں موجود ناپاک پانی سے جا ملے گا جس سے داخل کیا جانے والا پانی بھی ناپاک ہو جائے گا پھر اس کو نکال کر جب دوسرا نیا پانی ڈالیں اس کا حال بھی یہی ہوگا۔ تاہم لوگوں کی شدید احتیاج اور ضرورت کے پیش نظر اس کو پاک قرار دیدیا گیا۔

استحسان بالقیاس الخفی:

وہ قیاس خفی ہے جو قیاس جلی سے اقوی ہو۔

اس سے ثابت ہونے والے حکم کو مستحسن بالقیاس الخفی کہتے ہیں۔

جیسے بیع پر قبضہ سے پہلے بائع اور مشتری کے درمیان مقدار ثمن میں اختلاف ہو جائے۔ بائع کہے میں نے یہ سودرہم کا فروخت کیا ہے مشتری کہے نہیں بلکہ میں نے دوسودرہم کا خریدا ہے۔ اس میں ظاہراً بائع مدعی اور مشتری منکر ہے۔ اور مشہور قاعدہ ہے "البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر"

(مدعی پر ضروری ہے کہ وہ گواہ لائے اور منکر پر ضروری ہے کہ وہ قسم اٹھائے) یہاں قیاس کا تقاضہ تھا کہ یمین مشتری پر لازم ہو۔ کیونکہ وہی منکر ہے۔ جبکہ استحسان کا تقاضہ ہے کہ

یمین بائع پر لازم ہو۔ کیونکہ وہ بھی مشتری کے دعویٰ کا منکر ہے۔ مشتری دعویٰ کرتا ہے کہ اسکی قیمت سودرہم مقرر ہوئی ہے۔ جبکہ بائع سودرہم کا انکار کر رہا ہے۔ یوں بائع بھی منکر ہو گیا۔ لہذا استحسان بائع اور مشتری دونوں پر یمین کے وجوب کا تقاضہ کرتا ہے۔ کیونکہ دونوں ہی من وجہ مدعی اور من وجہ منکر ہیں۔ یہاں قیاس خفی کا اثر قوی ہے۔ لہذا اسکو ترجیح دیتے ہوئے دونوں پر یمین کو واجب قرار دیں گے۔ اور حلف کے بعد قاضی ان کے عقد کو فسخ کر دیگا۔ اس حکم کو فروعات کی طرف متعدی کرنا بھی جائز ہے۔ لہذا عاقدین کے فوت ہو جانے کی صورت میں حکم ان کے ورثاء کی طرف منتقل ہوگا۔ اسی طرح اجارہ میں بھی یہی حکم متعدی ہوتا ہے۔

مسئلے کی دوسری صورت:

اگر مقدار ثمن میں اختلاف مشتری کے بیع پر قبضہ کر لینے کے بعد ہو تو اس صورت میں بھی قیاس یہی

تقاضہ کرتا ہے کہ یمین صرف مشتری پر واجب ہو۔ (کیونکہ بائع اپنا بیع پہلے ہی مشتری کے حوالے کر چکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے صرف دعویٰ ہے) لیکن نص تقاضہ کرتی ہے کہ دونوں پر واجب ہو ”قال علیہ الصلوٰۃ والسلام اذا اختلف المتبايعان والسلعة قائمة تحالفا و ترادا“ (جب عاقدین میں اختلاف ہو جائے اور بیع موجود ہو تو دونوں حلف اٹھائیں اور بیع واپس لوٹا دیں)

اختلاف:

مسئلے کی پہلی صورت متفقہ ہے اور دوسری صورت شیخین علیہما الرحمہ کے نزدیک ہے کہ دونوں کا تحالف (باہمی قسم اٹھانا) خلاف قیاس اور مستحسن بالاثار ہے۔ لہذا یہ حکم بعد وصال عاقدین کے ورثاء کی طرف متعدی نہیں ہوگا بلکہ ان کے درمیان اختلاف کی صورت میں

مشری کے وارث کا قول معتبر ہوگا بشرطیکہ بیع موجود ہو۔
 امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک یہ مسئلہ استحسان بالقیاس الخفی سے ثابت ہوا ہے۔ لہذا اس کا
 حکم بھی ورثاء کی طرف متعدی کرنا درست ہے۔

تخصیص علت

تخصیص العلة:

عبارة عن تخلف الحكم عن العلة في بعض الصور لمانع
 یعنی بعض صورتوں میں علت تو موجود ہو مگر کسی مانع کی وجہ سے اس کا حکم نہ پایا جائے۔
 تخصیص علت جائز ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے۔

امام کرخی، ابو بکر رازی، احناف میں اکثر اہل عراق، امام مالک امام احمد اور معتزلہ کا مسلک:
 تخصیص علت جائز ہے۔

دلیل:

استحسان یعنی تخصیص علت ہی ہے۔ کیونکہ جہاں کہیں بھی استحسان پایا جاتا ہے
 اس کے مقابلے میں قیاس جلی بھی پایا جاتا ہے۔ تاہم کسی مانع کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کیا
 جاسکتا۔ معلوم ہوا قیاس جلی کی علت کے موجود ہونے کے باوجود کسی مانع کی وجہ سے حکم کا نہ
 پایا جانا ممکن اور جائز ہے۔

اکثر احناف کا مسلک:

تخصیص علت ناجائز ہے۔

دلیل:

عقل شرعیہ احکام شرعیہ کیلئے دلائل ہوا کرتے ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ دلیل شرعی تو ہو مگر اس کا
 حکم نہ ہو!

مسئلہ اول کا رد:

استحسان تخصیص علت نہیں ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے قیاس جلی بھی ہو تا ہو۔ کیونکہ استحسان کے مقابلے میں وہ وصف جسے قیاس جلی قرار دیا جا رہا ہو وہ استحسان کی اقسام ثلاثہ کے مقابلے میں علت ہرگز نہیں بن سکتا کیونکہ ان اقسام کے مقابلے میں قیاس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

رہا استحسان بالقیاس الخفی تو یہ قیاس جلی پر رائج ہو تو اس کے مقابلے میں بھی قیاس جلی کا عدم ہوتا ہے۔

کیونکہ مرجوح رائج کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ لہذا استحسان کے مقابلے میں قیاس کا حکم کسی مانع کی وجہ سے عدم نہیں ہوتا ہے بلکہ قیاس والی علت نہ ہونے کی وجہ سے حکم نہیں پایا جاتا ہے۔

نوٹ:

ضرورت پر چونکہ اجماع ہوتا ہے اور اجماع اثبات احکام میں کتاب و سنت کی طرح ہوتا ہے۔ لہذا ضرورت بھی اثبات احکام میں کتاب و سنت جیسی ہوگی اور کتاب و سنت اور اجماع کی طرح ضرورت کے مقابلے میں بھی قیاس غیر معتبر ہوگا۔

مثال:

روزے دار کے حلق میں زبردستی پانی ڈال دیا جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ روزہ ٹوٹ جانے کی علت ”عدم امساک“ پایا گیا ہے۔ اور اگر کوئی شخص بھول کر کھا پی لے تو اس کا روزہ باقی رہے گا۔ حالانکہ یہاں بھی ”عدم امساک“ پایا گیا ہے۔ اس کے باوجود حکم کیوں نہیں پایا گیا؟ اس بارے میں مذکورہ مسالک کا اختلاف ہے۔

مسئلہ اول:

امام کرخی علیہ الرحمہ وغیرہ کے نزدیک یہاں تخصیص علت پائی جاتی ہے۔ کہ زوزہ

ٹوٹنے کی علت تو پائی جاتی ہے۔ مگر اسکا حکم (زوزہ ٹوٹنا) مانع کی وجہ سے نہیں پایا جاتا۔ اور وہ

مانع حدیث پاک ہے "قال علیہ الصلوۃ والسلام من نسی وهو صائم فاکل

شرب فلیتم صومه فانما اطعمہ اللہ وسقاہ" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا "جو اپنا زوزہ دار ہونا بھول جائے پس اس نے کھالیا یا پی لیا تو اسے چاہئے کہ اپنا روزہ

پورا کرے سو بے شک اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا اور پلایا ہے)

مسلم درم:

حضرات احناف کے نزدیک یہاں عدم حکم عدم علت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ ناسی

فعل کی نسبت اس کی طرف نہیں کی گئی بلکہ صاحب شرع یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی

ہے۔ تو جب کھلانے پلانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو گئی تو ناسی سے جنایت کا معنی ہی

ختم ہو گیا۔ اسکا فعل عفو قرار پایا گویا اس نے کھایا یا پی لیا ہی نہیں ہے۔ لہذا روزے کا رکن

اساک بھی باقی رہا اور روزہ بھی باقی رہا۔

نکتہ جلید

فریق اول نے جس (حدیث پاک) کو تخصیص علت کی دلیل بنایا ہے اسی کو ہم نے عدم

علت کی دلیل بنایا ہے۔ فللہ الحمد۔

فائدہ

اس فصل میں بیان کردہ اصول (مخالف کی جانب سے جس چیز کو تخصیص علت کی دلیل بنایا

جائے اسی تخصیص علت کے عدم پر دلیل بنادینا) کو اچھی طرح یاد کر لینا چاہئے کیونکہ اس

اصول کے ذریعے ان تمام اعتراضات سے بچا جاسکتا ہے جو تخصیص علت کے ذریعے وارد

کئے جاتے ہیں۔ (بدمذہب "ف" فساد کی لگا کر فتنہ و فساد بیان

(رضیہ قادری گزشتہ صفحہ)

مبحث حکم القیاس

حکم قیاس:

اصل جیسا حکم ایسی فرع میں ثابت کیا جائے جس میں نص وارد نہ ہوئی ہو تا کہ اس فرع میں خطاء کے احتمال کے ساتھ ظن غالب کے ذریعے حکم ثابت ہو۔

فائدہ

یہاں جس تعدیہ کی بات کی گئی ہے وہ بالفعل ہے اور شرائط قیاس میں جس تعدیہ کی بات کی گئی ہے وہ بالقوة ہے۔ اور احتمال خطاء کی قید اس لئے لگائی ہے کہ مجتہد کا اجتہاد صواب اور خطاء کا احتمال رکھتا ہے۔ اور غالب رائے کی قید اس لئے لگائی ہے کہ قیاس دلائل ظنیہ میں سے ہے۔

فائدہ دوسرا

التعلیل هو تقرير ثبوت الموثر لاثبات الاثر وقيل هو اظهار الشئى سواء كانت تامة او ناقصة (التعريفات) وهنا المراد بالتعليل القياس كما في حاشية مولنا يعقوب البناني
نوٹ: تعلیل کیلئے تعدیہ لازمی حکم ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے۔

شواہد کا مذہب:

تعلیل کیلئے تعدیہ لازمی نہیں ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے سونا چاندی میں حرمت ربوا کی علت ثمنیت کو قرار دینے کی تعلیل کو جائز کہا ہے۔ یہ ایک ایسی تعلیل ہے جس میں تعدیہ نہیں پایا جاتا کیونکہ ان دونوں چیزوں میں جس چیز کو علت قرار دیا گیا ہے وہ کہیں اور نہیں پائی جاتی ہے۔

دلیل:

تعلیل بعلت قاصرہ دیگر دلائل شرعیہ (جیسے کتاب و سنت وغیرہ) کی طرح ایک دلیل ہے۔ اس کیلئے اتنا ضروری ہے کہ اپنے حکم کو ثابت کرے خواہ وہ حکم کسی فرع کی طرف متعدی ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ وصف علت بننے کے لئے تعدیہ کا تقاضہ نہیں کرتا ہے بلکہ تعدیہ اس وقت پایا جاتا ہے کہ جب وصف میں عمومیت ہو۔

احتماف کا مذہب:

تعلیل کیلئے تعدیہ لازمی حکم ہے۔

دلیل:

دلیل شرعی کیلئے ضروری ہے کہ وہ علم (یقین) کا فائدہ دے یا عمل (وجوب) کا۔ یہ علم کا فائدہ تو نہیں دے سکتی کیونکہ یہ خود ظنی ہے، اور منصوص علیہ میں عمل کا فائدہ بھی نہیں دے سکتی کیونکہ منصوص علیہ (یعنی محل حکم) میں پایا جانے والا عمل نص سے ثابت ہوتا ہے۔ اور نص قیاس سے اعلیٰ ہوتی ہے اسلئے یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ عمل کی اضافت نص سے منقطع کر کے قیاس کی طرف کردی جائے چونکہ یہ بھی دلیل شرعی ہے اسکا بھی کوئی نہ کوئی فائدہ ہونا چاہئے اور وہ صرف تعدیہ ہی ہو سکتا ہے۔

اعتراض:

دلیل شرعی کو مذکورہ دو فوائد (علم و عمل) میں منحصر کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اس کے دوسرے فوائد بھی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ قیاس جس میں تعدیہ نہیں ہوتا ہے (یعنی تعلیل بعلت قاصرہ) وہ حکم نص کو نص کے ساتھ خاص کر دیتا ہے، تا کہ مجتہد اس حکم کو فرع کی طرف متعدی کرنے کی سعی کر کے اپنا وقت ضائع نہ کرے۔

پہلا جواب: یہ فائدہ تو تعلیل کے بغیر بھی حاصل ہوتا ہے۔ اسلئے کہ یہ اختصاص تعلیل سے پہلے ہی نص سے ثابت ہو چکا ہوتا ہے۔ کیونکہ ”نص اپنے صیغہ کے ساتھ محل حکم میں حکم ثابت ہونے پر ہی دلالت کرتی ہے“ جبکہ وصف میں عموم تعلیل سے ثابت ہوتا ہے۔ تو جب تعلیل نہیں ہوگی تو اختصاص حکم ہی ثابت ہوگا۔ معلوم ہوا اختصاص حکم تعلیل کا مستفاد نہیں ہے۔

دوسرا جواب:

جیسا کہ یہ جائز ہے کہ اصل (مقیس علیہ) میں دو وصف متعدی ہوں اور ان میں سے ایک دوسرے سے زیادہ متعدی ہو۔

جیسے ہمارے نزدیک حرمت ربوا کی علت قدر و جنس ہے اور شوافع کے نزدیک اجناس میں طعم ہے۔ تو اس طرح اجناس میں دو وصف متعدی پائے گئے (۱) قدر مع الجنس (۲) طعم لیکن ان میں سے وصف اول طعم کے مقابلے میں زیادہ متعدی ہوتا ہے جیسے چوٹا وغیرہ۔

اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ اصل میں دو وصف ہوں ان میں سے ایک متعدی ہو اور دوسرا متعدی نہ ہو۔ اب اگر مجتہد وصف غیر متعدی کے ذریعے قیاس کرتا ہے تو اس سے اختصاص حکم بالنص ثابت نہیں ہوتا ہے کیونکہ اسی اصل میں وصف متعدی بھی موجود ہوتا ہے جس کے سبب مجتہد پر واجب ہوتا ہے کہ وہ اسی وصف متعدی کے ذریعے قیاس کرے۔ کیونکہ یہی ماسور پر قیاس کرنے کے زیادہ قریب ہے۔

جیسے سونا چاندی میں قدر مع الجنس اور ثمنیت دو وصف ہیں ان میں پہلا متعدی ہے اور دوسرا غیر متعدی ہے۔

دفع قیاس کی بحث

دفع القیاس سے مراد علل مؤثرہ پر مخالفین کی جانب سے وارد ہونے والے اعتراضات کو دور کرنا ہے۔ چونکہ قیاس کی بنیاد ہی علت پر ہے اور دفع القیاس کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ اس لئے اس بحث میں پہلے علت کی اقسام اور ان کی تعریفات بیان کی گئی ہیں۔ پھر اعتراضات کے جوابات دیئے گئے۔

علت کی اقسام

علت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) علت مؤثرہ

ماظهر اثرها بنص او اجماع فی جنس الحكم المعلن بها۔
یعنی علت مؤثرہ وہ علت ہے جس کا اثر نص یا اجماع کے ذریعے ”حکم معلل بہ“ کی جنس میں ظاہر ہو چکا ہو۔

علت طردیہ:

اس کی تعریف کے بارے میں دو مذاہب ہیں۔

(۱) العلة الطردية هي الوصف الذي اعتبر فيه دوران الحكم

وجود امن غير نظر الى ثبوت اثره في موضع بنص او اجماع۔
یعنی علت طردیہ وہ وصف ہے جس کے پائے جانے پر حکم پایا جائے قطع نظر اس بات کے کہ اس کا اثر نص یا اجماع کے ذریعے کسی جگہ ثابت ہوا ہے یا نہیں۔

(۲) العلة الطردية هي الوصف الذي اعتبر فيه دوران الحكم

وجودا و عدما من غير نظر الى ثبوت اثره في موضع آخر بنص او اجماع۔
یعنی علت طردیہ وہ علت ہے جس کے پائے جانے پر حکم پایا جائے اور نہ پائے جانے پر حکم

بھی نہ پایا جائے۔ قطع نظر اس بات کے کہ اس کا اثر نص یا اجماع کے ذریعے کسی جگہ ثابت ہوا ہے یا نہیں۔

بیان اختلاف:

ہمارے نزدیک علت طردیہ سے استدلال کرنا ناجائز ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک جائز ہے اور وہ اس سے استدلال بھی کرتے ہیں۔ وہ ہم پر علل طردیہ کے ذریعے اعتراض کرتے ہیں جسکا ہم اس انداز سے رد کریں گے کہ وہ علت مؤثرہ کے قائل ہو جائیں۔

علل طردیہ کو رد کرنے کی اقسام

علل طردیہ کو رد کرنے کی چار قسمیں ہیں:

۱. القول بموجب العلة

۲. ممانعة

۳. فساد وضع

۴. مناقضہ

(۱) القول بموجب العلة

معلل اپنی تعلیل سے جو حکم ثابت کرے سائل اسکو قبول کرے اس طرح سے کہ حکم میں

اختلاف باقی

رہ جائے۔

مثال:

امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک رمضان کے روزے میں تعیین نیت فرض ہے۔

(انہوں نے تعیین نیت کو حکم اور فرضیت کو علت بنایا ہے)

احناف کا جواب:

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ فرضیت صوم کا حکم تعیین نیت ہے، لہذا صوم رمضان بھی تعیین نیت کے بغیر ادا نہیں ہوگا اسکے باوجود ہم مطلق نیت کے ساتھ صوم رمضان کو جائز قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ تعیین دو طرح کی ہوتی ہے ایک بندوں کی طرف سے اور دوسری وہ ہے جو شارع کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور صوم رمضان وہ ہے جس کی تعیین شارع کی جانب سے ہو چکی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اذ انسلخ شعبان فلا صوم الا: رمضان (چلن شعبان گزر جائے تو صرف رمضان کا روزہ ہوگا) لہذا بندوں کی جانب سے تعیین کی ضرورت نہیں رہی۔

نوٹ:

‘القول بموجب العدة كذا’ انواع پر اسلئے مقدم کیا گیا ہے کہ فن مناظرہ میں یہی اقویٰ اور قطعی ہوتا ہے۔

ممانعت کا بیان

ممانعت:

ہی عبادة عن امتناع السائل عن قبول ما اوجبه

غیر دلیل علیہ

ترجمہ: معطل جس حکم کو بلا دلیل ثابت کرے سائل کا اسکو قبول کرنے سے انکار دینا۔

وضاحت:

سائل معطل کی جانب سے پیش کردہ دلیل کے تمام مقدمات یا بعض معین

مقدمات کو عدم صحت کی بناء پر رد کر دیتا ہے۔

ممانعت کی چار قسمیں ہیں:

(۱) ممانعة فی نفس الوصف

(۲) ممانعة فی صلاحہ للحکم

(۳) ممانعة فی نفس الحکم

(۴) ممانعتہ فی نسبة الحکم الی الوصف

(۱) ممانعة فی نفس الوصف:

معتل نے جس وصف کو حکم کی علت قرار دیا ہے سائل کا متنازع فرع میں اس کے موجود ہونے کا انکار کر دینا۔

مثال:

امام زفر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

زخم کے سرے پر خون ابھر آیا مگر یہاں نہیں تو بھی وضو ٹوٹ جائے گا کیونکہ اس میں بدن سے ”نجاست کا نکلنا“ پایا گیا ہے جیسا کہ سبیلین سے ”نجاست کے نکلنے“ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

یہاں امام زفر علیہ الرحمہ نے مسئلہ اول کو مسئلہ ثانی پر قیاس کیا ہے کہ سبیلین سے ”خروج نجاست“ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور یہاں بھی خروج نجاست (خون کا نکلنا) پایا گیا ہے۔ لہذا اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

ممانعة:

امام زفر علیہ الرحمہ نے فرع میں جس وصف (یعنی خروج نجاست) کو علت قرار دیا ہے وہ تو اس میں موجود ہی نہیں ہے۔ کیونکہ خروج کہتے ہیں ”الانتقال من الداء الی الخیار (یعنی کسی چیز کا اندر سے باہر کی طرف منتقل ہونا) اور وہ یہاں نہیں پایا گیا

بلکہ خون کا ظہور پایا گیا ہے۔ جو کہ ناقض وضو نہیں ہے۔ (ظہور اس طرح سے پایا گیا ہے کہ ہر کھال کے نیچے خون ہوتا ہے جہاں کہیں سے اس کو ہٹایا جائے خون ظاہر ہوتا ہے۔ لہذا یہاں بھی اس کو ہٹایا گیا تو خون ظاہر ہو گیا فہم)

(۲) ممانعة فی صلاحہ للحکم:

معلل نے جس وصف کو حکم کی علت قرار دیا ہے سائل اس کے موجود ہونے کو تسلیم کرے لیکن اس میں حکم ثابت کرنے کی صلاحیت ہونے کا انکار کر دے۔
مثال:

امام شافعی علیہ الرحمہ باکرہ پر ولایت کو ثابت کرنے کیلئے وصف بکارت کو علت قرار دیتے ہیں۔

ممانعة:

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مذکورہ متنازع فرع میں وصف بکارت ہے۔ مگر اس میں حکم ثابت کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ کیونکہ اس وصف کا اثر کسی اور مقام میں ثابت نہیں ہوا ہے۔

(۳) ممانعة فی نفس الحکم:

معلل نے جس وصف کو حکم کی علت قرار دیا ہے سائل اسکے وجود اور صلاحیت کو تسلیم کر لینے کے بعد اس سے ثابت کردہ حکم کا انکار کر دے۔

مثال:

امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

مسح راس تین مرتبہ کرنا سنت ہے۔ کیونکہ یہ بھی وضو کا رکن ہے۔ جیسے چہرے کا دھونا وضو کا رکن ہونے کی وجہ سے تین مرتبہ دھونا سنت ہے۔ انہوں نے رکنیت کو علت اور تثلیث کو اس کا حکم بنایا ہے۔

ممانعت:

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مذکورہ وصف متنازع فرع میں موجود ہے اور اس میں صلاحیت بھی موجود ہے۔ لیکن اسکا حکم مسنون تثلیث نہیں ہے۔ بلکہ فرض کو پورا کرنے کے بعد ”اکمال“ اسکا حکم مسنون ہے (یعنی فرض کی ادائیگی میں کچھ اضافہ کر کے اسکو کامل بنادینا) چونکہ پورا چہرہ دھونا فرض ہے لہذا اکمال کی سنیت تین مرتبہ دھونے سے حاصل ہوگی۔ اسی طرح مسح راس میں چوتھائی کا مسح فرض ہے لہذا اکمال کی سنیت پورے سر کا مسح کرنے سے حاصل ہوگی۔

(۴) ممانعة فی نسبة الحکم الی الوصف:

معلل نے جس وصف کو علت قرار دیا ہے سائل اسکے وجود اسکی صلاحیت اور اس سے ثابت کردہ حکم کو تسلیم کر لینے کے بعد یہ کہے کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ یہ حکم اس وصف کی طرف منسوب ہے بلکہ دوسرے وصف کی طرف منسوب ہے۔

مثال:

جیسے ہم مسئلہ مذکور میں کہیں ہم تسلیم نہیں کرتے کہ تثلیث کا حکم مسنون ”رکنیت“ سے ثابت ہے۔ کیونکہ جیسے مسح، چہرہ دھونا وغیرہ وضو کے ارکان ہیں۔ ایسے ہی قیام، رکوع، سجود وغیرہ نماز کے ارکان ہیں۔ اس کے باوجود قیام وغیرہ میں کسی کے نزدیک تثلیث مسنون نہیں ہے۔ اسی طرح مضمضہ اور استنشاق وضو کے ارکان نہیں ہیں مگر ان میں تثلیث مسنون ہے۔ معلوم ہوا تثلیث کی علت رکنیت نہیں ہے۔

فساد وضع کا بیان

فساد وضع:

هو كون الوصف في نفسه آبياعن الحکم ومقتضيا للضد بان

بنص او اجماع کو نہ علة لنقيض هذا الحكم

ترجمہ

فساد وضع یہ ہے کہ وصف اپنی وضع میں اس سے ثابت کردہ حکم کے مخالف ہو اور اس حکم کے مخالف حکم کا مقتضی ہو اس حال میں کہ اس کا اس مخالف حکم کی علت ہونا نص یا اجماع سے ثابت ہو۔

مثال:

شوافع کہتے ہیں:

اگر کافر زوجین میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر لے اور عورت غیر مدخولہ ہو۔ تو اسلام لاتے ہی ان کے درمیان جدائی ہو جائے گی۔ اسکے لئے قاضی کی قضا کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

اور اگر مدخولہ ہو تو عدت گزرنے پر تفریق کی جائے گی۔ اس مسئلے میں شوافع نے ”اسلام“ کو جدائی کی ”علت“ بنایا ہے۔

احناف کا جواب:

یہ علت اپنی وضع میں فاسد ہے کیونکہ اسلام حقوق باطل کرنے نہیں آیا بلکہ ان کی حفاظت کرنے آیا ہے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ دوسرے پر بھی اسلام پیش کیا جائے۔ اگر قبول کر لے تو ان کا نکاح باقی رہے گا اور اگر انکار کر دے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے اس طرح ”انکار“ ہی جدائی کی ”علت“ قرار پائے گا نہ کہ اسلام۔

دوسری مثال:

اگر زوجین میں سے کوئی ایک (معاذ اللہ عزوجل) مرتد ہو جائے اگر عورت غیر مدخولہ ہو تو بالاتفاق ان کے درمیان فوری تفریق کر دی جائے گی۔ اور اگر مدخولہ ہو تو ہمارے

نزدیک فی الفور اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک بعد عدت تفریق کی جائے گی۔
شواہع مضرات کہتے ہیں:

تفریق ایک ایسے سبب کی وجہ سے واجب ہوئی ہے جو نکاح پر طاری ہوا ہے۔
اور وہ نکاح کے منافی نہیں ہے۔ لہذا اس کو عدت پوری ہونے تک مؤخر کیا جائے
گا۔ (یاور ہے وہ سبب "ارتداد" ہے)

احناف کا جواب:

ارتداد منافی نکاح ہے اور ردت کے ہوتے ہوئے نکاح کو باقی ماننے سے لازم
آئے گا کہ ارتداد قابل معافی جرم ہے۔ حالانکہ یہ ایک ناقابل معافی جرم اور منافی عصمت
ہے۔ اور نکاح کا مدار عصمت پر ہوتا ہے۔ تو جب عصمت ہی باقی نہ رہی تو نکاح کیونکر باقی
رہیگا؟۔

نکتہ:

فساد وضع کا اعتراض اقویٰ ہوتا ہے اسکے ورود کے بعد معطل کیلئے جواب دینے کی
گنجائش نہیں رہتی ہے۔ البتہ مناقضہ میں معطل ایسی توجیہ کی طرف پناہ لے سکتا ہے جس
سے محل نزاع میں فرق واضح ہو جائے۔

مناقضہ کا بیان

المناقضة:

وهي تخلف الحكم عن الوصف الذي ادعى كونه علة سواء كان

لمانع او لغير مانع

ترجمہ

:مناقضہ وہ حکم کا نہ پایا جاتا ہے اس وصف کے موجود ہونے کے باوجود جسکو معطل

نے اس حکم کی علت قرار دیا ہے۔ خواہ یہ کسی مانع کی وجہ سے ہو یا نہ ہو۔

یاد رہے یہ تعریف ان کے نزدیک ہے جو تخصیص علت کے قائل نہیں ہیں۔ اور جو تخصیص علت کے قائل ہیں ان کے نزدیک دوسری تعریف ہے ”وہی تخلف الحکم عن الوصف الذی ادعی کو نہ علة لا لمانع“ یعنی مناقضہ وہ حکم کا نہ پایا جاتا ہے اس وصف کے موجود ہونے کے باوجود جسکو معلل نے علت قرار دیا مگر کسی مانع کی وجہ سے نہ ہو۔

مثال:

شوافع کہتے ہیں:

تیمم کی طرح وضو میں بھی نیت شرط ہے کیونکہ دونوں ہی طہارت ہیں تو نیت کی شرط میں دونوں علیحدہ علیحدہ کیونکر ہو سکتے ہیں؟
یہاں شوافع نے طہارت کو نیت کی علت قرار دیا ہے۔

احناف کی جانب سے مناقضہ:

غسل ثوب و بدن بھی طہارت ہیں اسکے باوجود ان میں نیت کا حکم کوئی نہیں دیتا۔ تو دیکھئے یہاں آپ کا بیان کردہ وصف (طہارت) تو پایا گیا۔ مگر اس کا حکم (نیت) نہیں پایا گیا۔

اب شوافع مجبور ہوں گے کہ ایسی توجیہ کی طرف پناہ لیں جس سے وضو اور غسل ثوب و بدن میں فرق واضح ہو جائے۔

چنانچہ وہ کہہ سکتے ہیں:

وضو طہارت حکمی (اور امر تعبدی) ہے کیونکہ محل غسل (اعضاء اربعہ) میں نجاست کا ہونا خلاف عقل ہے۔ اور امر تعبدی بغیر نیت کے ادا نہیں ہوتا ہے۔ لہذا شرط نیت میں اسکا

حکم بھی تیمم کی طرح ہوگا۔

جبکہ غسل ثوب و بدن طہارت حقیقی ہے اور موافق عقل ہے۔ اس لئے اس میں نیت ضروری نہیں ہے۔ اس توجیہ سے جہاں دونوں میں فرق واضح ہو گیا وہیں آپ کا مناقضہ بھی باطل ہو گیا۔ کیونکہ ہم نے جس طہارت کو علت بنایا ہے وہ ہے طہارت حکمیہ۔ جو غسل ثوب و بدن میں نہیں ہے۔

احناف کا جواب:

وضو بدن سے نجاست نکلنے بعد لازم ہوتا ہے۔ کیونکہ خروج نجاست سے طہارت زائل ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے خروج نجاست سے پورے جسم کا ناپاک ہو جانا امر منقول ہے۔ اس بارے میں قیاس تو یہ تھا کہ پیشاب وغیرہ کے بعد غسل واجب ہو کیونکہ منی مقدار میں پیشاب سے کم ہوتی ہے تو جب اسکی وجہ سے غسل فرض ہو جاتا ہے تو پیشاب وغیرہ سے بدرجہ اولیٰ فرض ہونا چاہئے۔ لیکن چونکہ خروج منی کا تحقق کم ہوتا ہے۔ اسلئے اسکا وہی حکم باقی رکھا گیا اور پیشاب وغیرہ کا تحقق بکثرت ہوتا ہے اور بار بار غسل کرنا نقصان و حرج کا سبب بن جاتا اسلئے فقط اعضائے اربعہ مخصوصہ کو پورے جسم کے غسل کے قائم مقام قرار دیدیا گیا۔ جو کہ بدن کے اطراف ہونے اور گناہوں کے واقع ہونے کے لحاظ سے اصل الاصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سو اگرچہ سارے بدن پاک کرنے کیلئے اعضائے اربعہ پر اقتصار کرنا خلاف عقل ہے لیکن خروج نجس کی وجہ سے بدن کا ناپاک ہو جانا اور پانی کے استعمال سے نجاست کا زائل ہو جانا عقل کے موافق ہے۔ لہذا اس کیلئے نیت کی شرط درست نہیں ہے۔ بخلاف تیمم کے کہ مٹی بدن کو آلودہ کرنے والی ہے اور اپنی حقیقت کے اعتبار سے غیر مطہر ہے اس لئے اس میں نیت کی ضرورت ہے۔

علل موثرہ پر فساد وضع اور مناقضہ وارد کرنے کا امکان نہیں

علل موثرہ پر السقوط بموجب العلة اور معارضہ وارد کئے جاسکتے ہیں۔ بخلاف فساد وضع اور مناقضہ کے جیسے کتاب و سنت اور اجماع پر فساد وضع اور مناقضہ وارد نہیں کئے جاسکتے ہیں۔ ایسے ہی عِلل موثرہ پر بھی وارد نہیں کئے جاسکتے۔ کیونکہ عِلل موثرہ کی تاثیر کتاب، سنت یا اجماع سے ثابت ہوتی ہے۔

لیکن صورت مناقضہ وارد ہو سکتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو اس کو چار طریقوں سے دور کرنا ضروری ہے۔

(۱) دفع بالوصف

(۲) دفع بالمصنی الثابت بالوصف

(۳) دفع بالحکم

(۴) دفع بالضرر

دفع بالوصف:

معتراض جس وصف کو علت بنا کر مناقضہ کرے فرع میں اس کے عدم وجود کو ثابت کر کے مناقضہ کو دور کر دینا۔

مثال:

ہمارے نزدیک خروج نجاست حدث ہے چنانچہ اگر سبیلین کے علاوہ بھی بدن سے نجاست کا خروج پایا جائے تو حدث لاحق ہو جائے گا۔ اور یہ خروج نجاست ایسی علت ہے جس کی تاثیر قرآن مجید سے ثابت ہے قولہ تعالیٰ ”او جاء احد منکم من الغائط“ شوافع کا اعتراض:

جب آپ کے نزدیک خروج نجاست حدث کی علت ہے تو پھر اس وقت کہ جب غیر سبیلین سے نجاست (مثلاً خون) خارج ہو مگر نہ بہے تو اس وقت آپ حدث کا حکم کیوں

نہیں لگاتے حالانکہ خروج نجاست پایا گیا؟

جواب:

وہاں خروج نہیں پایا گیا حدث کا حکم لگایا جائے۔ کیونکہ ہر کھال کے نیچے رطوبت ہوتی ہے اور ہر رگ میں خون ہوتا ہے۔ چنانچہ جب کھال ہٹی تو رطوبت یا خون ظاہر ہو گیا۔ اس کا خروج نہیں ہوا کیونکہ خروج کہتے ہیں شئی کا داخل سے خارج کی طرف منتقل ہونا اور وہ یہاں نہیں پایا گیا۔

دفع بالمعنی الثابت بالوصف:

وصف سے دلالت ایک ایسا معنی ثابت ہوتا ہے جس کے سبب وصف کو علت قرار دیا جاتا ہے۔ اس معنی کے عدم کو ثابت کر کے مناقضہ کو رد کر دینا۔

جیسے ہم مذکورہ مناقضہ کا رد دوسرے طریقے سے یوں کریں کہ خروج نجس ایک معنی کی وجہ سے حدث کی علت بنتا ہے اور وہ معنی ہے ”پاکیزگی کے حصول کیلئے اس جگہ کے دھونے کا وجوب جہاں نجاست لگی ہے“ کیونکہ خروج نجاست پورے بدن کی طہارت کو ختم کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے اولاً اس جگہ کو دھونا واجب ہوتا ہے۔ جہاں سے نجاست نکلی ہے پھر پورے بدن کو دھونا واجب ہوتا ہے کیونکہ ”وجوب تطہیر“ وصف تجزی کو قبول نہیں کرتا۔ لہذا جب موضع اصابت کو دھونا واجب ہو تو لا محالہ پورے بدن کو دھونا واجب ہو گیا۔ لیکن حرج عظیم کے پیش نظر اعضاء اربعہ پر اقتصار کیا گیا۔ اور مذکورہ صورت میں کسی کے بھی نزدیک اس جگہ کو دھونا ضروری نہیں ہے۔ جہاں خون یا رطوبت ظاہر ہوئی ہو۔ تو جب یہ معنی نہیں پایا گیا تو وصف خروج کو علت قرار نہیں دیا جاسکتا۔ گویا وصف خروج پایا ہی نہیں گیا۔ لہذا اس کا حکم (حدث) بھی نہیں پایا گیا۔ فاندفع النقص

دفع بالحکم:

معارض کہے کہ فلاں فرع میں آپ کی مسلمہ علت تو پائی جا رہی ہے مگر جو حکم آپ نے اس سے ثابت کیا ہے وہ نہیں پایا جا رہا۔ چنانچہ اس حکم کے وجود کو ثابت کر کے مناقضہ کو دور کر دینا۔

مثال:

شواہد کی جانب سے اعتراض ہوتا ہے کہ مسلسل بہنے والے زخم سے بھی حدت لاحق ہو جانا چاہئے کیونکہ اس میں بھی خروج نجاست پایا جاتا ہے مگر آپ کے نزدیک جب تک وقت باقی رہے حدت لاحق نہیں ہوتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ نے جس وصف کو علت قرار دیا ہے اسکے ہوتے ہوئے آپ کا ثابت کردہ حکم نہیں پایا گیا؟

جواب:

ہمارے نزدیک مذکورہ فرع میں خروج نجاست کا حکم پایا گیا ہے۔ لیکن ضرورت کی بناء پر اس حکم کو خروج وقت کے بعد تک مؤخر کیا گیا ہے۔ اور اسی حالت کی وجہ سے ”وقت نکلنے کے بعد“ وضو لازم ہوتا ہے۔

دفع بالغرض:

کسی غرض کو ثابت کر کے معارض کے مناقضہ کو دور کر دینا۔

مثال:

مذکورہ فرع پر وارد کئے گئے مناقضہ کا ایک اور جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ مذکورہ قیاس سے ہماری غرض خون اور پیشاب کے حکم میں برابری قائم کرنا ہے تاکہ فرع اصل جیسی بن جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ پیشاب جس کو ہم نے اصل قرار دیا ہے موجب حدت ہے اور جب یہ سلسل بول کی صورت میں مسلسل نکلنا شروع ہو جائے تو قابل معافی ہو جاتا ہے تاکہ نماز قائم کی جاسکے کیونکہ وقت داخل ہونے پر بندہ نماز کا مامور ہو جاتا ہے اور اس کی

ادائیگی حالت حدث میں غیر متصور ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ سلسل بول کو قابل معافی قرار دیا جائے۔ اسی طرح غیر سبیلین سے خارج ہونے والی چیزوں کا حکم ہے کہ وہ بھی موجب حدث ہوتی ہیں اور جب یہ مسلسل نکلنا شروع ہو جائیں تو وہ بھی قابل معافی ہو جاتی ہیں اس طرح اصل اور فرع میں برابری ثابت ہو گئی۔

معارضہ کا بیان

معارضہ:

ہی اقامة الدلیل علی خلاف ما اقام الدلیل علیہ الخصم

ترجمہ:

اس دعویٰ کے خلاف دلیل قائم کرنا جس پر مخالف مدعی مستدل نے دلیل قائم کی

ہے۔

معارضہ کی اقسام:

معارضہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) معارضۃ فیہا مناقضۃ

(۲) معارضۃ خالصۃ

کیونکہ معارض کی دلیل یا تو بعینہ وہی دلیل ہوگی جو مدعی مستدل نے دی ہے یا

نہیں پہلی صورت میں معارضہ فیہا مناقضہ ہے اور دوسری صورت میں معارضہ خالصہ ہے۔

معارضہ فیہا مناقضہ:

ایسا معارضہ جس میں معارض کی دلیل بعینہ وہی ہو جو مدعی مستدل نے دی ہے۔

اسکو اہل اصول و مناظرہ قلب کہتے ہیں۔

یاد رہے معارضہ فیہا مناقضہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں معارضہ اصل ہوتا ہے اور ضمنا مناقضہ پایا جاتا ہے۔ معارضہ تو اس حیثیت سے ہے کہ معارض ایسے وصف کو ثابت کرتا ہے جو مدعی مستدل کے دعویٰ کے خلاف کو ثابت کرتا ہے۔ اور مناقضہ اس حیثیت سے ہے کہ مدعی مستدل کی دلیل اس کے بجائے مخالف کی دلیل بن جاتی ہے اور اس سے مدعی مستدل کی دلیل میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔

نوٹ:

مناقضہ کو ضمنا اس لئے بھی رکھا گیا ہے کہ دلائل موثرہ پر ارادۂ نقض وارد نہیں کیا جاسکتا۔

قلب کی اقسام:

چونکہ معارضہ فیہا مناقضہ کو قلب بھی کہا جاتا ہے لہذا اسکی اقسام قلب کے نام سے بیان کی گئی ہیں۔

قلب کی دو قسمیں ہیں:

قسم اول:

قلب العلة حکما والحق حکم علة

ترجمہ:

علت کو حکم اور حکم کو علت میں تبدیل ہونا۔

وجہ تسمیہ:

”قلب“ قلب الاءاء سے ماخوذ ہے۔ یعنی اوپر والے برتنوں کو نیچے اور نیچے

والے برتنوں کو اوپر کر دینا۔ اور معارضہ فیہا مناقضہ کو اس لئے قلب کہتے ہیں کہ اس میں

تخلیل کو اسکی اصل صورت کے مخالف صورت کی طرف پھیر دیا جاتا ہے کہ حکم کو علت اور علت

کو حکم بنا دیا جاتا ہے۔ اور علت اصل ہونے کی وجہ سے حکم سے اعلیٰ ہوتی ہے اور حکم علت کے تابع ہونے کی وجہ سے اسفل ہوتا ہے۔ تو لہذا علت کو حکم اور حکم علت بنانے سے اعلیٰ کو اسفل اور اسفل کو اعلیٰ کی جگہ رکھنا لازم آتا ہے۔ فہم!

نوٹ:

یہ قسم صرف اس تعلیل میں پائی جائے گی جس میں ایسے حکم شرعی کو علت قرار دیا جائے جس کو دوبارہ حکم بھی بنایا جاسکے۔ ایسی تعلیل جس میں صرف وصف خالص پایا جائے وہاں یہ قسم نہیں پائی جائے گی۔ اسکی صورت یہ ہے کہ اصل (یعنی مقیس علیہ) میں ایک علت کے دو حکم پائے جائیں مدعی معلن ان میں سے ایک کو دوسرے کیلئے علت بنا دے پھر اس علت کو فرع کی طرف متعدی کر دے۔ جیسے حدود کے باب میں آزاد مسلمانوں میں دو حکم پائے جاتے ہیں پکر کے لئے سو کوڑے اور شادی شدہ کیلئے رجم۔ ان دونوں کی علت زنا ہے۔ اب تفصیلی مثال ملاحظہ کریں۔

مثال:

شوافع کے نزدیک آزاد کافر بکر زانی کو سو کوڑے لگائے جاتے ہیں اسلئے کافر شیب کو رجم کیا جاتا ہے۔ جیسے کہ آزاد مسلمان بکر زانی کو سو کوڑے لگائے جاتے ہیں اس لئے آزاد مسلمان شیب کو رجم کیا جاتا ہے۔ شوافع نے آزاد مسلمانوں پر قیاس کرتے ہوئے آزاد کافر غیر شادی شدہ زانی کے کوڑے کو ”علت“ قرار دیا ہے آزاد کافر شادی شدہ کو رجم کرنے کی۔ الحاصل انہوں نے مائة جلد کدھم کی علت قرار دیا ہے کہ جو حقیقت میں علت نہیں بلکہ حکم شرعی ہے۔

معارضہ فیہا مناقضہ:

ہم نے اس دلیل پر معارضہ فیہا مناقضہ کیا ہے کہ آزاد مسلمان بکر زانی کو کوڑے لگائے

جاتے ہیں کیونکہ آزاد مسلمان شیب کو رحم کیا جاتا ہے۔ شوافع نے جس کو علت قرار دیا ہم نے اسے حکم بنا دیا اور جس کو حکم قرار دیا ہم نے اسے علت بنا دیا۔ جس سے شوافع کی جانب پیش کردہ تعلیل تبدیل ہو گئی۔ تو جب ہماری اس تعلیل کی وجہ سے ان کی تعلیل میں انقلاب کا احتمال پیدا ہو گیا۔ تو ان کی تعلیل و مقیس علیہ کی اصل فاسد ہو گئی اور قیاس باطل ہو گیا۔ لہذا یہاں معلل مدعی کا صرف دعویٰ ہی باقی رہ گیا۔

فائدہ: مذکورہ صورت میں ہم احناف کی جانب سے بیان کیا گیا قلب صورۃً معارضہ ہے۔ کیونکہ ہماری دلیل شوافع کے دعویٰ کے خلاف کو ثابت کرتی ہے۔ اور معنی مناقضہ ہے کیونکہ جب قلب کی وجہ سے مقیس علیہ کا حکم علت میں بدل گیا تو مقیس علیہ مطلوبہ حکم میں مقیس علیہ نہ رہا۔

فائدہ: شوافع کے کے نزدیک احصان کے لئے اسلام شرط نہیں ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک کافر محسن ہوتا ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک اسلام شرط ہے اس لئے کافر محسن نہیں ہوتا ہے۔ اسی بناء پر ہمارے نزدیک کافر پر ایک ہی قسم کی حد جاری کی جاتی ہے یعنی ”سو کوڑے“ خواہ شیب ہو کہ بکر۔

قسم ثانی:

قلب الوصف شاہد اعلیٰ المعلل بعد ان کان شاہداً له

ترجمہ:

وہ علت جو مدعی مستدل کی دلیل ہوا اس کو اس طرح سے پھیر دینا کہ مدعی مستدل کے خلاف دلیل بن جائے۔

وجہ تسمیہ:

قلب کی یہ قسم ”قلب الجراب“ سے ماخوذ ہے یعنی تو شہ دان کے اندر کے جھکے کو

باہر اور باہر کے حصے کو اندر کی جانب کر دینا۔ لہذا اس عمل سے تو شہ دان کا وہ حصہ جو تمہاری طرف تھا وہ دوسری طرف ہو گیا اور جو دوسری طرف تھا وہ تمہاری طرف ہو گیا۔ یہی حال قلب کے بعد علت کا ہو جاتا ہے کہ علت کی پشت معارض کی طرف اور رخ مدعی مستدل کی طرف تھا لیکن قلب کے بعد پشت مدعی مستدل کی طرف اور رخ معارض کی طرف ہو جاتا ہے۔

نوٹ:

قلب کی یہ قسم اس وقت پائی جائے گی جب مدعی مستدل کے وصف کے ساتھ ایک اور وصف زائد کو ثابت کیا جائے۔ اس طور پر کہ وصف زائد وصف اول کی تفسیر بنے۔
مثال:

شواہغ کہتے ہیں کہ رمضان کا روزہ تعین نیت کے بغیر ادا نہیں ہوگا کیونکہ یہ روزہ فرض ہے۔ جیسے رمضان کا قضاء روزہ بالاتفاق تعین نیت کے بغیر ادا نہیں ہوتا ہے۔ یہاں شواہغ نے تعین نیت کیلئے فرضیت کو علت قرار دیا ہے۔ انہوں نے صوم رمضان کو صوم قضاء پر قیاس کیا ہے۔

ہم نے ان پر قلب کے ذریعے معارضہ کیا۔ اس طور پر کہ ہم نے اس وصف (یعنی فرضیت) کو عدم تعین کی علت بنا دیا جس کو شواہغ حضرات نے تعین کی علت بنایا ہے۔ وہ اس طرح ہے کہ جب انہوں نے فرضیت کو مبہم رکھا۔ اور یہ واضح نہیں کیا کہ فرضیت جو تعین کی علت ہے وہ تعین سے پہلے ہے یا بعد۔ چنانچہ ہم نے اس وصف کی وضاحت کرتے ہوئے قلب میں ایک اور وصف ”بعد تعینہ“ کا اضافہ کر دیا لہذا ہم نے کہا کہ صوم رمضان شروع کرنے سے قبل ہی شارع کی جانب سے متعین ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ﴿اذا نسلخ شعبان فلا صوم الا عن رمضان﴾ اس کو دوبارہ

متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ ایسا ہو گیا جیسے قضاء روزہ شروع کرنے کے بعد متعین ہو جاتا ہے۔ دوبارہ اس کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

لہذا وہ وصف جو مدعی مستدل کے دعویٰ پر دلیل تھا مذکورہ وضاحت کے بعد ہماری دلیل بن گیا۔

قلب تسویہ

قلب کی دونوں قسموں کے علاوہ ایک قسم اور بھی پائی جاتی ہے جسے قلب تسویہ کہا جاتا ہے اور یہ فاسد ہے کیونکہ اس میں مناقضہ نہیں پایا جاتا۔ بلکہ صرف معارضہ پایا جاتا ہے

جیسے شوافع کے نزدیک نقلی عبادت شروع کر دینے سے لازم نہیں ہوتی ہے یہاں تک کہ شروع کر کے فاسد کر دینے سے بھی قضاء واجب نہیں ہوتی ہے جیسے نماز روزہ۔ احناف کے نزدیک نقلی عبادات قصداً شروع کے دینے سے لازم اور فاسد کر دینے کی صورت میں قضاء واجب ہوتی ہے۔

شوافع کی دلیل:

نقلی عبادت فاسد ہو جائے تو اسکو پورا کرنا ناجائز ہوتا ہے۔ اور اسکی قضاء واجب نہیں ہوتی ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ یہ عبادت شروع کرنے سے بھی لازم نہ ہو۔ جیسے وضو شروع کرنے سے لازم نہیں ہوتا ہے۔

یہاں شوافع نے عدم لزوم کے لئے عدم الافضاء فی الفساکھلت قرار دیا ہے۔ اور اس مسئلے کو وضو پر قیاس کیا ہے۔ کہ جیسے وضو شروع کرنے سے لازم نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس کے فاسد ہو جانے کی صورت میں اسکی قضاء واجب نہیں ہوتی ہے۔ یہی حال دیگر نقلی عبادات کا بھی ہے۔

جواب:

بعض احناف نے اس پر معارضہ کیا ہے کہ آپ نے نوافل کو وضو پر قیاس کیا ہے۔ تو جیسے وضو میں شروع اور نذر دونوں مساوی ہیں (کہ اس سے وضو لازم نہیں ہوتا ہے) ایسے ہی ضروری ہے کہ نوافل میں بھی شروع اور نذر دونوں مساوی ہوں۔ تاکہ اصل اور فرع کے حکم ایک جیسے ہوں۔ اور عدم لزوم کے حکم میں نوافل کے شروع اور نذر میں استواء ممکن نہیں ہے کیونکہ نوافل نذر ماننے سے بالاجماع لازم ہو جاتے ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ نوافل شروع کرنے سے بھی لازم ہو جائیں تاکہ نذر اور شروع میں استواء پایا جائے (اگرچہ لزوم کے حکم میں) جبکہ آپ اس کے قائل نہیں ہیں لہذا آپ کی بیان کردہ تعلیل درست نہیں ہے۔

یہ قلب فاسد ہے:

شواہح نے جس وصف کو عدم لزوم کی علت قرار دیا ہے اس معارضہ میں احناف نے اسکو مساوات کی علت قرار دیا ہے۔ اس طور پر یہ قلب ہے لیکن قلب فاسد ہے۔ اسکی دو وجوہات ہیں۔

وجہ اول:

معلل جو حکم لیکر آیا ہے۔ معترض وہ نہیں بلکہ دوسرا حکم لیکر آیا ہے۔ جو نہ تو معلل کے حکم کے مخالف ہے نہ معلل نے اسکی نفی کی ہے۔ معلل تو وصف ”عدم الانضاء فی الفساد“ کے ذریعے عدم لزوم کو ثابت کر رہا ہے اور معترض اسی وصف سے مساوات کو ثابت کر رہا ہے جس کی معلل نے کوئی نفی نہیں کی ہے۔

وجہ ثانی:

کلام میں اصل اعتبار معنی کا ہوتا ہے نہ کہ الفاظ کا لہذا مساوات معنی کے اعتبار سے

ہونی چاہیے تھی جو کہ یہاں نہیں پائی گئی کیونکہ وضو میں نذر و شروع کے حکم میں مساوات ”عدم لزوم“ کے اعتبار سے ہے جبکہ نوافل میں نذر و شروع کے حکم میں مساوات ”لزوم“ کے اعتبار سے ہے۔

لہذا یہ قیاس باطل ہے کیونکہ شرائط قیاس میں سے ہے کہ اصل کا حکم فرع میں بعینہ متعدی ہو۔ جبکہ یہاں فرع میں حکم (ثبوت استواء سے سقوط استواء میں) تبدیل ہو چکا ہے۔

معارضہ خالصہ کا بیان

معارضہ خالصہ:

معارضہ خالصہ سے مراد وہ معارضہ ہے جو مناقضہ سے خالی ہوتا ہے۔

اہل مناظرہ اس کو ”معارضہ بالغیر“ کہتے ہیں۔

اسکی دو قسمیں ہیں:

(۱) معارضہ فی حکم الفرع (۲) معارضہ فی علت الاصل۔

معارضہ فی حکم الفرع:

معارض کا ایسی دوسری علت بیان کرنا جو معلل کے حکم کے خلاف دوسرے حکم کو ثابت کرے بعینہ اسی مقیاس (محل) میں جس میں معلل نے ثابت کیا ہے۔ یہ معارضہ صحیح ہے۔

مثال:

امام شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

مسح راس میں تثلیث مسنون ہے کیونکہ غسل (دھونا) کی طرح مسح بھی وضو کا ایک رکن ہے تو جس طرح دیگر اعضاء کو دھونے میں تثلیث مسنون ہے اسی طرح مسح میں بھی تثلیث مسنون ہے۔

یہاں امام شافعی علیہ الرحمہ نے ”رکنیت“ کو مسح راس میں تثلیث کی علت قرار دیا ہے۔ اور اس کو اعضاء کے غسل پر قیاس کیا ہے۔ ہم نے کہا مسح راس میں تثلیث منون نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مسح علی الخف کی طرح مسح ہے۔

ہم نے اس معارضہ کے ذریعے ان کی علت کو باطل نہیں کیا ہے بلکہ بعینہ اسی مقیاس میں ایک دوسری علت کے ذریعے ان کے حکم کے خلاف ایک دوسرا حکم ثابت کیا ہے۔ ہم نے مسح راس کو مسح علی الخفین پر قیاس کرتے ہوئے کہا کہ مسح راس میں تثلیث مسنون نہیں ہے۔ کیونکہ مسح عدم تثلیث کی علت ہے اور وہ دونوں میں موجود ہے۔

معارضہ فی علتہ الاصل:

مقترض کا ایک ایسی دلیل لے کر آنا جو اس بات پر دلالت کرے کہ اصل میں علت وہ نہیں ہے جو معلل نے بیان کی ہے بلکہ دوسری چیز ہے جو کہ فرع میں نہیں پائی جاتی۔ اس کو مفارقة بھی کہتے ہیں یہ معارضہ باطل ہے۔

معارضہ فی علتہ الاصل کے بطلان کی وجہ:

مقترض معلل کی علت کے مقابلے میں علت قاصرہ لیکر آئے گا یا علت متعدیہ اگر علت قاصرہ لیکر آئے تو یہ معارضہ باطل ہوگا کیونکہ تعلیل کا حکم علت قاصرہ نہیں ہے بلکہ علت متعدیہ ہے۔ اور اگر علت متعدیہ لیکر آئے تو یہ بھی باطل ہوگا اگرچہ تعلیل کا حکم تعدیہ ہے لیکن یہاں حکم متنازع فیہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ علت یہاں معدوم ہے اور عدم علت عدم حکم کا موجب نہیں بنتا ہے کیونکہ ایک حکم کی مختلف علتیں ہو سکتی ہیں۔

علت قاصرہ کی مثال:

ہم احناف سونا چاندی پر قیاس کرتے ہوئے لوہے کہ بدلے لوہے کی بیع بالتفاضل کو ناجائز قرار دیتے ہیں کہ اس میں حرمت ربوا کی علت قدر و جنس پائی جاتی ہے۔

اس پر شوافع نے معارضہ کرتے ہوئے کہا کہ سونا چاندی میں حرمت ربوا کی علت قدر و جنس نہیں ہے بلکہ ”ثمنیت“ ہے اور وہ لوہے میں نہیں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ اسکی بیع بالتفاضل جائز ہے۔ ہمارے نزدیک یہ معارضہ اسلئے باطل ہے کہ یہاں تعلیل علت قاصرہ کے ذریعے بیان کی گئی ہے جو کہ تعلیل کا حکم نہیں ہے۔

علت تعدیہ کی مثال:

ہم احناف گندم اور جو پر قیاس کرتے ہوئے چونے کے بدلے چونے کی بیع بالتفاضل کو ربوا قرار دیتے ہیں کیونکہ مقیس علیہ میں موجود علت قدر و جنس مقیس میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس پر شوافع نے معارضہ کرتے ہوئے کہا کہ مقیس علیہ میں علت قدر و جنس نہیں بلکہ ”اقتیات اور اذخار“ ہے جو کہ مقیس میں مفقود ہے۔ لہذا چونے کی بیع بالتفاضل جائز ہے۔

ہمارے نزدیک یہ معارضہ اس لئے درست نہیں ہے کہ معترض کی علت کا ”حکم متنازع فیہ“ سے کوئی تعلق نہیں ہے سوائے اس کے کہ یہ علت ”حکم متنازع فیہ“ میں معدوم ہے اور عدم علت عدم حکم کا موجب نہیں بنتا ہے اور ایک حکم کی مختلف علتیں ہو سکتی ہیں۔

قاعدہ کلیہ:

کل کلام صحیح فی الاصل یذکر علی سبیل المفارقة ف

علی سبیل الممانعة

ہر کلام جو اپنی اصل کے اعتبار سے صحیح ہو جسے مفارقة کے طور پر پیش کیا جاتا ہے (بہتر یہ ہے کہ) تو اسے ممانعت کے طور پر پیش کرے تاکہ وہ کلام مقبول ہو اور اس پر کوئی اعتراض وارد نہ ہو۔

اگر راہن شئی مرہون کو فروخت کر دے تو یہ بیع مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ اور اگر راہن عبد مرہون کو آزاد کر دے تو ہمارے نزدیک آزاد ہو جائے گا۔ شوافع کہتے ہیں کہ اگر راہن مالدار نہ ہو تو اس کا عتق نافذ نہیں ہوگا اور اگر مالدار ہو تو اس بارے میں شوافع کے دو اقوال ہیں۔ شوافع عبد مرہون کے عتق کو شئی مرہون کی بیع پر قیاس کرتے ہیں۔ کہ جیسے راہن شئی مرہون کی بیع کر دے تو اس کی بیع نافذ نہیں ہوتی ہے بلکہ مرتہن کی اجازت پر موقوف ہوتی ہے کیونکہ اگر مرتہن کی اجازت کے بغیر بیع نافذ ہو جائے تو اس سے ابطال حق مرتہن لازم آتا ہے۔ لہذا راہن کا عتق عبد مرہون میں نافذ نہیں ہوگا۔ شوافع نے اصل و فرع میں بیع اور عتق کے عدم نفاد کی علت ”ابطال حق مرتہن“ کو قرار دیا ہے۔

ہمارے بعض احناف جو مفارقہ کے قائل ہیں انہوں نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ عتق اور بیع میں فرق ہے کیونکہ بیع بعد انعقاد نسخ کا احتمال بھی رکھتی ہے اور اسی احتمال کی وجہ سے بیع موقوف بھی ہوتی ہے۔ جبکہ عتق بعد انعقاد نسخ کا احتمال نہیں رکھتا اور اسی بناء پر یہ موقوف بھی نہیں ہوتا ہے۔ لہذا بیع کے عدم نفاد کی علت وہ نہیں ہے جو شوافع نے بیان کی ہے بلکہ اس کی علت احتمال نسخ ہے اور یہ علت فرع میں نہیں پائی جاتی ہے لہذا عتق کو بیع پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

وضاحت:

بعض احناف کی جانب سے بیان کردہ یہ فرق اگرچہ فی نفسہ درست ہے۔ لیکن چونکہ اس کو مفارقہ کی صورت میں ذکر کیا ہے اس لئے یہ فرق غیر مقبول ہے۔ اس کو مقبول بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو ممانعت کے طور پر پیش کیا جائے۔ اور یوں کہا جائے کہ قیاس تو اسلئے ہوتا ہے کہ اصل کا حکم فرع کی طرف متعدی کیا جائے نہ کہ اس لئے کہ اصل کا حکم ہی

بدل دیا جائے۔ جبکہ آپ نے اصل کے حکم کو تبدیل کر دیا ہے کیونکہ اصل کا حکم توقف ہے۔ جو کہ شروع میں رد کا اور بعد ثبوت ”منح“ کا احتمال رکھتا ہے اور یہ حکم فرع یعنی اعتاق میں نہیں پایا جاتا ہے۔ اور آپ فرع (اعتاق) میں اس اس چیز کو مکمل طور پر باطل قرار دے رہے ہیں جو کہ منح و رد کا کوئی احتمال ہی نہیں رکھتی (یعنی عتق) اس طرح آپ نے فرع میں اصل والا حکم ثابت نہیں کیا بلکہ ایک نیا حکم ثابت کیا ہے اور وہ ہے ”بطلان“

اُصل فی الترجیح

جب دو دلیلوں میں تباہی پیدا ہو جائے تو اس تعارض کو ختم کرنے کیلئے ترجیح کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اگر مستدل اپنی دلیل کی کوئی وجہ ترجیح بیان نہ کر سکے اور معترض کی دلیل قوت میں جب تک مستدل کی دلیل کے برابر ہوگی تو وہ معارضہ قائم رہے گا۔ اور مستدل کا دعویٰ ثابت نہیں ہوگا۔ اور اگر مستدل وجہ ترجیح بیان کر دے تو معترض دوسری وجہ ترجیح کے ذریعے معارضہ کر سکتا ہے۔

ترجیح:

”هو عبارة عن فضل احد المثلين على الاخر و صفا“

یعنی ترجیح کہتے ہیں ”دو برابر دلیلوں میں سے ایک دلیل کو دوسری دلیل پر فضیلت دینا کسی وصف کا اعتبار کرتے ہوئے“۔

وصفاً:

مصنف علیہ الرحمہ نے ”وصفاً“ کی قید لگا کر واضح کر دیا کہ وجہ ترجیح کوئی مستقل دلیل نہیں ہوگی بلکہ ترجیح دی جانے والی دلیل کے اندر پایا جانے والا ”معنی“ ہی وجہ ترجیح ہوگا۔

اسی وجہ سے اہل اصول کہتے ہیں کہ ایک قیاس کو دوسرے قیاس پر کسی تیسرے قیاس کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ تیسرا قیاس بذات خود ایک مستقل دلیل ہے۔ ایسی صورت میں ایک طرف ایک

قیاس دوسری طرف دو قیاس ہوں گے۔ جیسے چار آدمیوں کی شہادت کو دو آدمیوں کی شہادت پر ترجیح نہیں دی جاتی ہے۔ ”کیونکہ ترجیح کا مدار کثرت دلائل نہیں ہوتا بلکہ کسی بھی دلیل میں پایا جانے والا وصف زائد ہوتا ہے“ یہی وجہ ہے کہ عادل کی شہادت کو فاسق کی شہادت پر عادل کی ذات میں پائے جانے والے وصف عدالت کی وجہ سے ترجیح دی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک آیت کو دوسری آیت پر کسی تیسری آیت کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جائے گی۔ اسی طرح ایک حدیث کو دوسری حدیث پر کسی تیسری حدیث کی وجہ سے ترجیح نہیں دی جائے گی۔ الحاصل دو متعارض دلیلوں میں سے ترجیح اسی کو ملے گی جس کی ذات میں قوت زیادہ ہوگی۔ چنانچہ کئی زخم لگانے والے شخص کو ایک زخم لگانے والے پر ترجیح نہیں دی جائے گی۔ کہ زید نے بکر کو ایک زخم لگایا جو خطاۓ اس کے قتل کا سبب بننے کی صلاحیت رکھتا ہو اور خالد نے بکر کو اس طرح کے ایک سے زائد زخم لگائے جس سے بکر کا انتقال ہو گیا تو دونوں پر برابر برابریت لازم آئے گی۔ البتہ اگر ایک کا زخم مہلک ہو مثلاً اس نے گردن کاٹ دی دوسرے کا مہلک نہ ہو کہ اس نے ہاتھ کاٹا تو قتل کی نسبت زخم لگانے والے کی طرف ہوگی

وجہ ترجیح کا بیان

وہ امور جن کی وجہ سے دلائل کو ترجیح دی جاتی ہے وہ چار ہیں۔

ترجیح بقوۃ الاثر:

یعنی دو قیاسوں میں سے جس کا اثر دوسرے کے مقابلے میں زیادہ قوی ہوگا اسے دوسرے پر ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ تاثیر ایسا معنی ہے جو کہ دلیل میں موجود ہوتا ہے۔ اسی

تاثير کی وجہ سے دليل ميں فضيلت پيدا ہوتی ہے۔ لہذا جس دليل کا اثر قوی ہوگا اسی کو ترجیح دی جائے گی کیونکہ اس ميں فضيلت پائی گئی ہے۔ جیسے اغساں کا اثر قوی ہو تو اس کو قیاس جلی پر ترجیح دی جائے گی۔

ترجیح بقوة ثبات الوصف علی الحکم المشہود بہ:

یعنی دو متعارض قیاسوں ميں سے جس کا وصف اپنے حکم کے ساتھ الزم ہوگا اس کو دوسرے پر ترجیح دی جائے گی۔

جیسے ہم مسح راس ميں مسح کو ”عدم تثلیث“ (جو کہ تخفیف ہے) کے لئے علت بنا رہے ہیں اور بدھ (یعنی مسح) اپنے حکم (یعنی تخفیف) کے ساتھ الزم ہے جہاں کہیں بھی مسح پایا جاتا ہے وہاں تخفیف بھی پائی جاتی ہے۔ جیسے مسح علی الخف، مسح علی الجبیرہ، اور تیمم۔ امام شافعی علیہ الرحمہ ”رکنیت“ کو ”تثلیث مسح“ کی علت قرار دیتے ہیں۔ کہ مسح وضو کے دیگر ارکان کی طرح ایک رکن ہے جیسے دیگر ارکان ميں تثلیث مسنون ہے اسی طرح مسح ميں بھی تثلیث مسنون ہے۔ یہاں ہمارے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے قیاس کے درمیان تعارض ہو گیا ہے۔ مگر ترجیح ہمارے قیاس کو ملے گی کیونکہ اس کا وصف اپنے حکم کے ساتھ الزم ہے جبکہ ان کے قیاس کا وصف الزم نہیں ہے کیونکہ

ارکان نماز جیسے قیام، قعود، رکوع، سجود وغیرہ ميں تثلیث نہیں پائی جاتی ہے حالانکہ ان سب ميں رکنیت پائی جاتی ہے معلوم ہوا رکنیت تثلیث کی علت نہیں ہے بلکہ نماز کے ارکان کا حکم یہ کہ ان کو کامل طریقے سے پورا کیا جائے نہ کہ تکرار کے ساتھ یہی وجہ سے ارکان نماز ميں تکرار شروع نہیں ہوئی ہے۔

دفع اعتراض:

مسح کا اثر تخفیف ميں ہر اس جگہ لازم ہے جہاں تطہیر غیر معقول پائی جائے یعنی

مسح کا حکم (تخفیف) لازمی طور پر وہاں پایا جائے گا جہاں تطہیر غیر معقول پائی جائے گی جیسے تیمم، مسح علی الخف وغیرہ،

اور جہاں تطہیر غیر معقول نہ ہو بلکہ تطہیر معقول ہو وہاں یہ حکم لازم نہیں ہوگا۔ جیسے غیر پانی کے ساتھ استنجاء کہ وہاں تکرار مشروع و مسنون ہے۔

ترجیح بکثرة الاصول :

یعنی دو متعارض قیاسوں میں سے جس قیاس کے وصف کیلئے زیادہ مقیس علیہ شاید ہوں اسکو دوسرے پر ترجیح ملے گی۔ جیسے مسح راس میں وصف (یعنی علت) مسح ہے اور اس کا حکم تخفیف ہے اس وصف کے صحیح ہونے پر متعدد مقیس علیہ شاید ہیں جیسے تیمم، مسح علی الجبیرہ، مسح علی الخف کہ ان سب میں وصف مسح ہے اور ہر ایک میں اس کا حکم تخفیف پائی جا رہی ہے۔ لہذا یہ سب مسح راس میں وصف مسح کے صحیح ہونے پر شاید ہیں۔ جبکہ شوائع کے قیاس کے وصف یعنی رکنیت کے صحیح ہونے پر صرف ایک مقیس علیہ شاید ہے اور وہ ہے غسل اعضاء وضو۔ لہذا ہمارے قیاس کو شوائع کے قیاس پر ترجیح دی جائے گی۔

نوٹ:

یہ بات یاد رہے کہ ہماری دلیل وصف ہوتا ہے نہ کہ مقیس علیہ جس سے وصف کو نکالا گیا جبکہ مقیس علیہ کے زیادہ ہونے سے وصف میں زیادہ تاکید پیدا ہو جاتی ہے اور وصف اپنے حکم کے ساتھ لازم ہو جاتا ہے۔

فائدہ:

مذکورہ تینوں وجوہ ترجیح کا مرجع صرف ایک ہی معنی ہے اور وہ ہے ”ترجیح بقوة تاثیر الوصف“ تاہم جہتیں مختلف ہونے کی وجہ سے تین قسمیں بنی ہیں کہ پہلی قسم میں ذات وصف پر دوسری میں حکم پر تیسری میں اصل پر نظر ہوتی ہے۔

ترجیح بالعدم عند عدمہ:

اس وجہ ترجیح کو سمجھنے سے پہلے بطور تمہید اس بات کو سمجھنا ضروری ہے۔ کہ وصف ”مطر“ بھی ہوتا ہے۔ اور ”منعکس“ بھی ہوتا ہے اور ”طر دو عکس“ کا مجموعہ بھی ہوتا ہے۔ مطر اس طرح ہوتا ہے کہ وصف ہو تو حکم بھی ہو مگر ضروری نہ ہو کہ وصف نہ ہو تو حکم بھی نہ ہو اور منعکس اس طرح ہوتا ہے کہ وصف نہ ہو تو حکم بھی نہ ہو۔ اور طر دو عکس کا مجموعہ اس طرح ہوتا ہے کہ وصف ہو تو حکم ہو و وصف نہ ہو تو وہ حکم بھی نہ ہو۔ اب ہم اس وجہ ترجیح کے معنی کی طرف آتے ہیں:

اس وجہ ترجیح کا تعلق عکس سے ہے۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ دلیل کو عکس کی وجہ سے ترجیح دینا۔

تاہم یہ بات یاد رہے جو وصف مطر دو منعکس ہو اس کو اس وصف پر ترجیح ملے گی جو مطر دو ہو مگر منعکس نہ ہو (یعنی وصف ہو تو حکم ہو اور وصف نہ ہو تو حکم معدوم نہ ہو بلکہ اس وقت بھی حکم موجود ہو)

مثلاً:

مسح اس میں تخفیف (یعنی عدم تثلیث) کی علت مسح ہے تو جہاں کہیں وصف مسح پایا جاتا ہے وہاں اس کا حکم (یعنی تخفیف) بھی پایا جاتا ہے۔ اور جہاں کہیں یہ وصف نہیں پایا جاتا وہاں اس کا حکم بھی نہیں پایا جاتا۔ جبکہ وصف رکن جسے شوائع تثلیث کی علت قرار دیتے ہیں بعض مقامات میں نہیں ہوتا ہے مگر وہاں اس کا حکم (یعنی تثلیث) پایا جاتا ہے جیسے کلی اور استنشق کہ وضو کے رکن نہیں مگر ان میں تثلیث پائی جاتی ہے۔ لہذا ہمارے وصف کو شوائع کے وصف پر ترجیح دی جائے گی۔ (یہاں ہمارا ذکر کردہ وصف مطر دو منعکس ہے اور ان کا ذکر کردہ وصف مطر دو ہے مگر منعکس نہیں)

مکملہ وجوہ ترجیح میں یہ آخری وجہ ترجیح چاروں میں اضعف یعنی ضعیف ترین ہے۔ کیونکہ اسکی بنیاد عدم پر ہے ("یعنی وصف نہ ہو تو حکم بھی نہ ہو") اور عدم کے ساتھ کوئی حکم متعلق نہیں ہوتا ہے۔ لہذا عدم کو بنیاد بنا کر ترجیح دینا درست نہیں ہے۔ البتہ اگر حکم کسی وصف کے ساتھ متعلق ہو پھر اس وصف کے عدم سے وہ حکم بھی نہ پایا جائے تو وہ وصف زیادہ واضح ہوتا ہے وصف مطرد غیر منعکس سے (یہ بات اوپر گزر چکی ہے اور اس کے ذریعے سے مصنف علیہ الرحمہ ان لوگوں کا رد کیا ہے جو کہتے ہیں: عدم سے کوئی چیز متعلق نہیں رکھتی ہے۔ لہذا عدم علت نہ تو عدم حکم کا موجب بنتا ہے نہ وجود حکم کا کیونکہ وہ تو کوئی شے نہیں ہے اور ترجیح امر وجودی سے حاصل ہوتی ہے)

فائدہ: عام اصولیین کے نزدیک ترجیح کی یہ قسم درست ہے۔ کیونکہ عدم وصف کے وقت حکم کا نہ پایا جانا دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم اس وصف کے ساتھ خاص ہے۔

دو وجہ ترجیح میں تعارض کا بیان

جیسے اولہ کے درمیان تعارض پیدا ہو جاتا ہے پھر ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اسی طرح وجوہ ترجیح میں بھی تعارض پیدا ہو جاتا ہے پھر ان میں سے بھی کسی ایک کو ترجیح دینے کی ضرورت پیش آتی ہے ورنہ تعارض باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے دونوں متعارض دلیلیں ساقط ہو جاتی ہیں۔

وجوہ ترجیح کے درمیان تعارض کی تین قسمیں ہیں:

وجوہ ترجیح کے درمیان تعارض کی تین قسمیں ہیں مصنف علیہ الرحمہ نے ان میں

سے ایک کو بیان کیا ہے اور باقی دو کو واضح ہونے کی وجہ سے بیان نہیں کیا۔

تمہید: وصف ذاتی یا وصف عارضی ہی وجہ ترجیح ہوتا ہے۔

وجہ حصر:

دو وجوہ ترجیح میں سے یا تو ہر ایک وصف ذاتی ہوگا یا نہیں۔ دوسری صورت میں ہر ایک وصف عارضی ہوگا یا نہیں۔ اگر نہ ہو تو ایک وصف ذاتی ہوگا اور دوسری وصف عارضی ہے مصنف علیہ الرحمہ نے اس تیسری قسم کو بیان کیا ہے۔

باقی پہلی دو قسموں کے بارے میں یہ ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کیلئے معنی کی توفیق کو دیکھا جائے گا اگر ممکن ہو تو صحیح ورنہ تعارض باقی رہے گا اور دونوں دلیلیں ساقط ہو جائیں گی۔

قسم ثالث:

جب دو متعارض قیاس ایسے ہوں کہ ان میں سے ہر ایک میں وجہ ترجیح موجود ہو تو جو وجہ ترجیح وصف ذاتی ہوگی اس کو ”وجہ ترجیح جو وصف عارضی ہو“ پر ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ وصف ذاتی قائم بالذات ہوتا ہے اور وصف عارضی وصف ذاتی کی وجہ سے قائم ہوتا ہے اور اسکے تابع ہوتا ہے اور تابع اس حیثیت سے کہ وہ تابع ہے اصل کو باطل نہیں کر سکتا۔

وضاحت:

وصف ذاتی سے مراد ایسا وصف جس کے بغیر ذات نہیں پائی جاتی ہے۔ ذات جب بھی پائی جائیگی اس وصف کے ساتھ پائی جائے گی جبکہ وصف عارضی وہ ہے کہ جس کے بغیر ذات پائی جاسکتی ہے۔

مثال:

اگر کسی نے رمضان کے روزے میں شروع ہی سے نیت نہیں کی تو شوافع کے نزدیک اس کا روزہ نہیں ہوگا۔ جبکہ ہمارے نزدیک اگر اس نے نصف نہار سے پہلے پہلے نیت کر لی تو روزہ ہو جائے گا۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل:

روزہ ایک عبادت جس کی حقیقت امساک ہے اور امساک بغیر نیت کے معتبر نہیں ہوتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ نیت شروع سے ہو۔ اس دلیل میں وجہ ترجیح ”وصف عارضی“ ہے اور وہ ہے ”عبادت“ کیونکہ ”وصف عبادت“ امساک کو لاحق ہوا ہے امساک بنفس نفیس کوئی عبادت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے بنانے سے یہ عبادت بنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اسکو عبادت بنانا امساک سے خارج علیحدہ چیز ہے۔

احناف کی دلیل:

روزہ ایک رکن ہے جو صحت و فساد کے اعتبار سے تجزی کو قبول نہیں کرتا ہے۔
اویہ نیت کے ساتھ درست ہوتا ہے۔ اب اگر دن کے بعض حصے میں نیت پائی جائے اور بعض حصے میں نہ پائی جائے تو دونوں بعضوں میں تعارض پیدا ہو جائے گا کہ بعض میں نیت کا وجود ہوگا اور بعض میں نیت کا عدم ہوگا تو ”بعض میں نیت کا وجود“ چاہے گا کہ کل میں جواز ثابت کرے اور ”بعض میں نیت کا عدم“ چاہے گا کہ کل میں فساد ثابت کرے۔ تو ایسی صورت میں ہم اس بعض کو ترجیح دیتے ہیں جس میں نیت کا وجود ہوتا ہے ہماری اس ترجیح کی وجہ کثرت اجزاء ہے کیونکہ ”کثرت اجزاء“ کا تعلق ذات سے ہوتا ہے کہ کثرت ”بہت سارے اجزاء کے ملنے“ سے حاصل ہوتی ہے اور اجزاء خود ذات ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم جس چیز کو وجہ ترجیح بنا رہے ہیں وہ ”وصف ذاتی“ ہے۔ لہذا ہم وصف ذاتی کی وجہ سے جہت صحت یعنی روزہ کے صحیح ہونے کو ترجیح دیں گے۔

ہم روزے کے عبادات کے باب سے ہونے کی وجہ سے احتیاطاً جہت فساد کو ترجیح نہیں دیں گے (کہ عبادات کے باب میں جہت صحت و جہت فساد جمع ہو جائیں تو بالاتفاق جہت فساد کو ترجیح دیجاتی ہے ورنہ وصف عارضی کو ترجیح دینا لازم آئے گا۔ جو کہ درست نہیں ہے جبکہ

ترجیح بالذات ترجیح بالحال پر مقدم ہوتی ہے۔

دلائل ثلثہ سے ثابت ہونے والے امور کا بیان:

دو امور جو دلائل ثلثہ سے ثابت ہوتے ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔

(۱) احکام مشروعہ جیسے علت، حرمت، کراہت، فساد وغیرہ:

(۲) متعلقات احکام مشروعہ علل، اسباب، شروط وغیرہ:

اعتراض:

احکام اور متعلقات احکام کی تو قیاس کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔ کیونکہ ان کے مثبت اولہ ثلثہ ہیں نہ کہ قیاس لہذا ان دونوں امور کو قیاس کے باب میں بیان کرنا درست نہیں ہے۔

جواب:

احکام مشروعہ اور متعلقات احکام مشروعہ کو پہچاننے کے بعد قیاس کی تعلیل درست ہوتی ہے۔ کیونکہ قیاس کا مقصد اولہ ثلثہ میں سے کسی دلیل سے معلوم و ثابت شدہ حکم کو اپنی شرط، سبب اور وصف صالح کے ساتھ فرع کی طرف متعدی کرنا ہے۔ لہذا انہم نے تعلیل کے طریقے بیان کرنے کے بعد ان دونوں چیزوں کو قیاس کے باب میں ڈال دیا تاکہ ان دونوں چیزوں کی معرفت قیاس کی معرفت کا ذریعہ بنے۔

احکام مشروعہ

احکام مشروعہ کی چار قسمیں ہیں:

(۱) خالصہ حقوق اللہ تعالیٰ (۲) خالصہ حقوق العباد (۳) حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں ہوں مگر حقوق اللہ غالب ہوں (۴) حقوق اللہ و حقوق العباد دونوں ہوں مگر حقوق العبد غالب ہوں۔

خالصہ حقوق اللہ تعالیٰ:

وهو ما يطلب رعاية لجانب الله تعالى من حيث الامتثال
بلا رعاية لجانب العبد

وہ حق جس میں صرف جانب باری تعالیٰ کی رعایت مطلوب ہو اس کے حکم کی بجا آوری کی حیثیت سے جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ۔

خالصہ حقوق العباد:

وهو ما يتعلق به مصلحة خالصة

یعنی یہ وہ حق ہے جس میں خالصتاً (بندوں کی) مصلحت مطلوب ہو۔ جیسے مال غیر کی حرمت وغیرہ۔

حقوق اللہ والعباد دونوں ہوں مگر حقوق اللہ غالب ہوں:

مثلاً حد قذف اس حیثیت سے اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ اس کے منع کردہ امر کی جزاء ہے۔ اور اس حیثیت سے بندے کا حق ہے کہ اس سے بندہ مقذوف پر لگا عیب زائل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس میں اللہ تعالیٰ کا حق غالب ہے کہ حد قذف میں وراثت اور معافی جاری نہیں ہوتی ہے۔

حقوق اللہ والعباد دونوں ہوں مگر حقوق العباد غالب ہوں:

مثلاً قصاص:

اس میں اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ اس نفس سے عبادت کا تقاضہ کرتا ہے کہ اس نے بندے کو عبادت کرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور بندے کا حق یہ ہے کہ وہ اپنے نفس سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ یا یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا حق یہ ہے کہ وہ عالم کو فساد اور غارت گری سے بچانا چاہتا ہے اور بندے کا حق یہ ہے کہ اس پر جنایت واقع

ہوئی ہے (اس کی جان تلف ہوئی ہے) لیکن اس میں بندے کا حق غالب ہے کہ اس میں معافی اور وراثت جاری ہوتی ہے۔ اور اگر قصاص کے بدلے مال لینا چاہے تو وہ بھی جائز ہوتا ہے۔

حقوق اللہ کی اقسام

حقوق اللہ کی آٹھ قسمیں ہیں:

- (۱) عبادات خالصہ (۲) عقوبات کاملہ (۳) عقوبات قاصرہ (۴)
- ایسے حقوق جو عبادت و عقوبت دونوں کو شامل ہوں (۵) عبادت جس میں مؤنت کا معنی ہو (۶) مؤنت جس میں عبادت کا معنی ہو (۷) مؤنت جس میں عقوبت کا معنی ہو (۸) ایسا حق جو قائم بالذات ہو۔

(۱) عبادات خالصہ:

یعنی ایسی عبادت جس میں عقوبت اور مؤنت کا معنی شامل نہ ہو جیسے ایمان، نماز، زکوٰۃ، جہاد وغیرہ۔

(۲) عقوبات کاملہ:

یعنی صرف سزا ہو اور اسکے علاوہ کچھ اور نہ ہوتا کہ اس سزا کے بعد بندہ پھر جسا رت نہ کرے جیسے حدود۔

(۳) عقوبات قاصرہ:

یہ کم درجے کی سزائیں ہوتی ہیں ان کو ”اجزیہ“ بھی کہا جاتا ہے۔ تاکہ عقوبات کا ملہ اور قاصرہ کے درمیان فرق معلوم ہو۔ جیسے قتل کی وجہ سے میراث سے محروم ہو جانا۔ یہ کم درجے کی سزا ہے اسی وجہ سے قتل خطاء کے ارتکاب سے ثابت ہوتی ہے۔ اگر کامل عقوبت (سزا) ہوتی تو قتل خطاء سے ثابت نہیں ہوتی۔ جیسے قصاص قتل خطاء سے ثابت نہیں ہوتا

(۴) ایسے حقوق جو عبادت و عقوبت دونوں کو شامل ہوں:

مثلاً کفارات، ان میں عبادت کا معنی اس اعتبار سے ہوتا ہے کہ یہ خالصۃً عبادات کے ذریعے اداء کئے جاتے ہیں۔ جیسے روزہ، صدقہ، غلام آزاد کرنا اور مساکین کو کھانا کھلانا۔ اس لئے کفار پر کفارہ واجب نہیں ہوتا ہے کیونکہ کفار عبادت کی اہلیت نہیں رکھتے ہیں اور عقوبت کا معنی اس اعتبار سے ہے کہ یہ بندوں پر اس وقت واجب ہوتے ہیں جب ان سے کوئی ممنوعہ چیز سرزد ہو جائے یہی وجہ ہے کہ دیگر عبادات کی طرح ابتداء واجب نہیں ہوتے۔

(۵) عبادت جس میں مؤنت کا معنی ہو:

مؤنت کا معنی ہے مشقت اٹھانا (بروزن فَعُولَة) مَا نْتَ الْقَوْمِ اَمَّا تَتَّهِمُ سے مصدر ہے۔ بعض نے کہا یہ بروزن مَفْعَلَةٌ ہے اَوْن (بمعنی خراج اور عدل) سے مصدر ہے اور بعض نے کہا اَیْن (بمعنی تعب) سے مصدر ہے بہر صورت سب سے بوجھ برداری کا معنی ہی حاصل ہوگا۔

اصطلاحی معنی:

﴿ مَا يَجِبُ عَلَى الشَّخْصِ بِسَبَبِ الْغَيْرِ الَّذِي هُوَ مُحْتَاجٌ فِي بَقَا
الْيَه ﴾ یعنی مؤنت وہ چیز ہے جو بندے پر اس غیر کی وجہ سے واجب ہوتی ہے جو زندہ رہنے کیلئے اس کا محتاج ہوتا ہے جیسے نفقہ اور صدقہ فطر۔

چونکہ یہ حق (یعنی عبادۃ فیہا معنی المؤمنۃ) خالصۃً عبادت نہیں ہوتا ہے بلکہ کفالت کا معنی بھی اس میں ہوتا ہے اس لئے اسکی ادائیگی کیلئے کامل اہلیت کی شرط نہیں ہوتی ہے۔
مثلاً:

صدقہ فطر اس اعتبار سے عبادت ہے کہ یہ روزے دار کو گندگی اور بے کار باتوں سے پاک کر دیتا ہے، اور دیگر عبادات کی طرح اس میں بھی نیت شرط ہوتی ہے اور مصارفِ زکوٰۃ ہی اس کے مصارف ہوتے ہیں۔ اور اس میں مؤنت کا معنی اس اعتبار سے ہے کہ یہ دوسرے کی کفالت کے سبب واجب ہوتا ہے۔ یہی وجہ کہ شیخین علیہما الرحمہ کے نزدیک بچے اور مجنون پر بھی واجب ہوتا ہے۔ چونکہ اس میں عبادت کے پہلو زیادہ ہیں اس لئے اس میں عبادت کا معنی غالب ہے۔

(۶) مؤنت جس میں عبادت کا معنی ہو:

مثلاً:

عشر اس اعتبار سے مؤنت ہے کہ اس کا تعلق زمین سے ہوتا ہے اور عبادت اس اعتبار سے ہے کہ مصارفِ زکوٰۃ ہی اس کے مصارف ہوتے ہیں۔ لیکن اس میں مؤنت کا معنی غالب ہے کیونکہ زمین کا نامی ہونا وصف ہے اور عشر کا مصرف شرط ہے اور وصف و شرط تابع ہوا کرتے ہیں۔ لہذا مؤنت کا معنی اصل ٹھرا۔ چونکہ اس میں عبادت کا معنی بھی ہوتا ہے اس لئے عشر ابتداءً کافر پر واجب نہیں ہوتا ہے البتہ اگر ذمی مسلمان کی عشری زمین کا مالک ہو جائے تو امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک اس پر عشر باقی رکھنا جائز ہے۔

(۷) مؤنت جس میں عقوبت کا معنی ہو:

مثلاً:

خراج اس اعتبار سے مؤنت ہے کہ اس کا تعلق زمین کی حفاظت سے ہے ورنہ سلطان اس سے وہ زمین لیکر کسی اور کو دے دیگا۔ اور عقوبت اس اعتبار سے ہے کہ اس کا تعلق کفار کی اہانت اور رسوائی سے ہے کہ جب وہ زراعت کے ذریعے زمین سے نمو (یعنی پیداوار) حاصل کرنے پر قادر ہو جائیں تو ان سے خراج لیا جاتا ہے اور اسلام سے اعراض کر

کے محض دنیا کی تعمیر کے لئے زراعت میں مشغول ہونا کفار کا خاصہ ہے بایں طور یہ خراج ان کیلئے رسوائی کا ذریعہ اور سزا بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ ابتداء مسلمانوں پر نافذ نہیں ہوتا البتہ اگر مسلمان کافر سے خراجی زمین خرید لے یا کافر مسلمان ہو جائے تو اس پر خراج کو باقی رکھنا جائز ہے اس طور پر کہ اس میں مؤنت کا معنی بھی پایا جاتا ہے۔

(۸) ایسا حق جو قائم بالذات ہو:

یعنی ایسا حق جس کا بندے کے ذمے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے یہاں تک کہ بندے پر اس کی ادائیگی واجب ہوتی ہے۔

بلکہ یہ وہ حق ہے جیسے اللہ تعالیٰ اپنی ذات کیلئے باقی رکھتا ہے اور سلطان وقت کو اس کا متولی بنا تا ہے۔ وہ زمین میں اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے کوئی چیز لینے اور تقسیم کرنے میں زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہوتا ہے۔

مثلاً:

مال غنیمت اور معدنیات کا خمس یہ ایسا حق ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کیلئے ثابت ہوتا ہے اس میں کسی اور کا کوئی حق نہیں ہوتا ہے کیونکہ (مثلاً) جہاد اللہ تعالیٰ کا حق ہے تو اس سے حاصل شدہ مال غنیمت بھی صرف اسی کا ہوتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ بطور احسان چار اخماس ۴/۵ مال غنیمت حاصل کرنے والوں کو عطاء فرماتا ہے۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کا حق نہ ہوتا تو ہم بندوں پر لازم کرتے کہ وہ اطاعت کرتے ہوئے خمس اداء کریں۔ مگر یہ ایسا حق ہے کہ وہ اسے اپنے لئے باقی رکھتا ہے اور سلطان کو وصول کرنے اور تقسیم کرنے کیلئے متولی بناتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہم اس بات کو بھی جائز قرار دیتے ہیں کہ وہ ”خمس“ کو چار اخماس مال غنیمت حاصل کرنے والے ضرور تمندوں پر، ان کے آباؤ اجداد اور ان کی اولاد پر بھی خرچ کر سکتا ہے۔ بخلاف زکوٰۃ اور صدقات واجبہ کے کہ یہ اداء کرنے والوں پر خرچ نہیں کئے جاسکتے اگرچہ وہ ضرور تمند کیو

ن نہ ہوں۔ اسی طرح مال غنیمت بنو ہاشم پر بھی خرچ کیا جاسکتا ہے کیونکہ اس تحقیق کے مطابق شخص میل اور گندگی نہیں ہوتا ہے۔

نوٹ:

حقوق العباد کو کثرت کی وجہ سے یہاں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ جیسے ہلاکت کا تاوان، مال منسوب کا تاوان ملک مبیع، ملک طلاق، اور ملک نکاح وغیرہ۔

متعلقات احکام

متعلقات احکام چار ہیں: سبب، علت، شرط، علامت۔

سبب کا بیان

سبب کا لغوی معنی ہے ﴿ما یتوصل بہ الی المقصود﴾
یعنی جس کے ذریعے مقصود تک پہنچا جائے۔

اصطلاحی معنی:

حکم کا وہ متعلق ہے جو نہ تو اس میں داخل ہونہ موثر ہو بلکہ فی الجملہ حکم تک پہنچانے والا

ہو۔

سبب کی تین قسمیں ہیں:

(۱) سبب حقیقی

(۲) سبب فیہ معنی العلة

(۳) سبب مجازی

سبب حقیقی:

﴿ما یکون طریقاً الی الحکم من غیر ان یضاف الیہ وجوب ولا و

ولا یعقل فیہ معانی العلل لکن یتخلل بینہ و بین الحکم علة لا تضاف ا

السبب﴾

یعنی حکم کا وہ متعلق جو فی الجملہ حکم تک پہنچانے والا ہو اس طور پر کہ حکم کا وجوب اور وجود اسکی طرف منسوب نہ ہو، نہ ہی اس میں علت کا کوئی معنی ہو لیکن اس کے اور حکم کے درمیان ایک علت ہو جسکی نسبت اسکی طرف نہ کی گئی ہو۔

قیودات:

ما یكون طریقاً الى الحكم کی قید کے ذریعے ”علامت اور سبب مجازی“ سے احتراز کیا گیا ہے۔ اور ”وجوب“ کو خارج کر کے علت سے احتراز کیا گیا ہے۔ اور ”وجود“ کو خارج کر کے ”شرط“ سے احتراز کیا گیا ہے۔ اور لا یعقل فیہ معانی العلل کی قید کے ذریعے سبب لہ شبهة العلة اور سبب فیہ معنی العلة سے احتراز کیا گیا ہے۔ لکن بتخلل بینہ و بین الحكم کی قید لگا کر اس وہم کو دور کر دیا گیا ہے کہ سبب حقیقی اور حکم کے درمیان کوئی علت نہیں ہوتی ہے۔

مثال:

”دوسرے کے مال پر سارق کی رہنمائی کرنا تا کہ وہ چوری کر سکے“ یہاں دال کا فعل سبب حقیقی ہے کہ یہ سرقہ تک پہنچانے کا ذریعہ بنا۔ تاہم یہ سرقہ کو ثابت یا لازم کرنے والا نہیں بناتا نہ اس میں علت کا کوئی معنی موجود ہے۔ البتہ اس کے اور حکم کے درمیان ایک علت پائی جا رہی ہے اور وہ ہے فاعل مختار (سارق) کا ”فعل“ لیکن اس علت کی نسبت سبب کی طرف نہیں کی جائے گی کیونکہ اس سبب کی وجہ سے ضروری نہیں کہ چور چوری کرے بعض دفعہ رہنما کی کے باوجود بندہ بتوفیق خداوندی اس فعل کا ارتکاب نہیں کرتا ہے لہذا صاحب سبب (یعنی دال) پر ضمان واجب نہیں ہوگا (”دالیت“ سبب حقیقی ہے ”سرقہ“ علت اور ”چوری“ ہو جانا“ حکم ہے۔ اور چور کو فاعل مختار اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے اس فعل میں آزاد ہوتا ہے)

سبب فیہ معنی العلة:

وہ سبب ہے جسکی طرف اسکے اور حکم کے درمیان پائی جانے والی علت منسوب کی جاتی ہے اسکو

علة الة بھی کہتے ہیں۔

وضاحت:

یہ سبب کی دوسری قسم ہے جو حکم کی نسبت کئے جانے میں علت کی طرح ہوتا ہے کہ جیسے علت کی طرف حکم کی نسبت کی جاتی ہے اسی طرح اس سبب کی طرف بھی حکم کی نسبت کی جاتی ہے۔ چونکہ حکم کی نسبت علت کی طرف ہوتی ہے اور یہاں اس علت کی نسبت سبب کی طرف کر دی جاتی ہے تو یہ سبب اس علت کے لئے علت بن جاتا ہے جسکی وجہ سے اس علت کی طرف منسوب کیا جانے والا حکم اس سبب کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔

مثال:

جانور کو ہنکا کر یا کھینچ کر لیجانے سے کوئی چیز ہلاک ہو جائے تو ضمان جانور کو ہانکنے یا کھینچنے والے پر ہوگا۔ کیونکہ تو دوسوق (ہانکنا یا کھینچنا) جانور کے روندنے کی وجہ سے شئی کی ہلاکت کا سبب ہے۔ روندنا علت ہے اور شئی کی ہلاکت حکم ہے۔ یہاں سبب اور حکم کے درمیان ایسی علت پائی جا رہی ہے جسکی نسبت سبب کی طرف کی جائے گی کیونکہ اسی سبب نے جانور کو روندنے پر مجبور کیا ہے۔ لہذا حکم کی نسبت سبب کی طرف کی جائے گی اور ضمان صاحب سبب پر لازم کیا جائے گا۔

نوٹ:

یہ حکم ضمان ببدل المحل میں ہے لہذا اس صورت میں بندہ وراثت سے محروم نہیں ہوگا نہ اس پر کفارہ واجب ہوگا۔

ضمان کی اقسام

(۱) ضمان ببدل المحل

(۲) ضمان بجزاء المباشرة

ضمان ببدل المحل:

بدل محل (یعنی معاوضہ) کے ذریعے ضمان ادا کرنا جیسے دیت دینا اور تلف شدہ شے کی قیمت ادا کرنا۔

ضمان بجزاء المباشرة:

مباشرت کی سزا کے طور پر فعل کے ذریعے ضمان اداء کرنا۔ جیسے قتل خطاء میں وراثت سے محروم ہو جانا اور کفارہ ادا کرنا اور قتل عمد میں قصاص۔

نوٹ:

مذکورہ صورت میں ضمان سے ضمان ببدل المحل مراد ہے۔ لہذا صاحب سبب نہ وراثت سے محروم ہو گا نہ اس پر قصاص واجب ہو گا نہ کفارہ۔ نیز ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ محل کا ضمان تعدی کی بناء پر واجب ہوتا ہے جو کہ سائق وقائد کے حق میں موجود ہے۔ اور فعل کا ضمان مباشرت کی بناء پر واجب ہوتا ہے۔ مباشرت یہ ہے کہ جرم کرنے والے کا فعل بلا واسطہ محل کے ساتھ متصل ہو۔

سبب مجازی:

وہ سبب جس میں حقیقتاً سبب کا معنی (ایصال الی الحكم) نہیں پایا جاتا ہے لیکن اس احتمال کی بناء پر کہ یہ معنی کسی بھی وقت پایا جاسکتا ہے مجازاً کہلاتا ہے۔

مثال:

یمین باللہ کو مجازاً کفارے کا سبب قرار دیا جاتا ہے اسی طرح تعلیق الطلاق بالشرط اور تعلیق العتاق بالشرط کو جزاء کا سبب قرار دیا جاتا ہے فقط اس احتمال پر کہ یہ کسی بھی وقت سبیت کی طرف لوٹ سکتی ہے۔

نوٹ:

سب حقیقی کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ حکم تک پہنچانے کا ذریعہ بنے مطلقاً۔ اور یمین کا مقصد کفارہ نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ بر (پورا کرنا) ہوتا ہے اسی طرح ”تعلیق طلاق و عتاق بالشرط“ کا مقصد نزول جزاء نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ تنبیہ مقصود ہوتی ہے۔ لیکن اس احتمال پر کہ یہ کفارہ اور نزول جزاء تک پہنچانے کا ذریعہ بن جائیں ”سب مجازی“ کہلاتی ہیں۔

اختلاف:

یمین و تعلیق کی یہ وضاحت ہمارے نزدیک ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ یمین و تعلیق کو ایسا سبب قرار دیتے ہیں جو علت کے معنی میں ہوتا ہے۔ کیونکہ حث و شرط کے پائے جانے کی صورت میں یمین و تعلیق ہی کفارہ و جزاء کا سبب بنتی ہیں اور علت کا بھی یہی معنی ہوتا ہے۔ لہذا سبب اس معنی میں مانتے ہیں کہ ان کا حکم تاخیر سے پایا جاتا ہے اور علت کے معنی میں یوں ہوتی ہیں کہ احکام کے پائے جانے میں یہ مؤثر ہوتی ہیں۔

ہمارے نزدیک فی الحال حکم ثابت ہونے کا شبہ پائے جانے کے اعتبار سے سبب مجازی سبب حقیقی کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور چونکہ اس میں علت کا معنی ہوتا ہے کہ حث و جزاء کے پائے جانے کے وقت یمین و تعلیق حقیقی طور پر علت ہوتی ہیں اس لئے ہم اس کو سبب مجازی کا نام دیتے ہیں۔ امام زفر علیہ الرحمہ اس سبب کو ”سبب مجاز محض“ قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اس کا سبب حقیقی ہے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔

امام زفر علیہ الرحمہ سے اختلاف کی تفصیل:

امام زفر علیہ الرحمہ کے نزدیک مذکورہ سبب ”سبب مجاز محض“ ہوتا ہے۔ سبب حقیقی کی مشابہت سے خالی ہوتا ہے۔

مثال:

یہ اختلاف مسئلہ تجیز میں واضح ہوگا۔

نوٹ:

تجیز یہ ہے کہ ”طلاق کو شرط کے ساتھ معلق کرنے کے بعد بغیر معلق کئے تین طلاقیں دے دی جائیں“ (پھر حلالہ کے بعد شوہر اول کے ساتھ نکاح کر لے)
جیسے شوہر نے کہا ”اِنْ دَخَلْتُ الدَّارَ لَانِ طَلِيقٍ“ پھر شرط کے پائے جانے سے پہلے اس نے

عورت کو تین طلاقیں دیدیں۔ بعد عدت اس نے دوسرے سے نکاح کر لیا پھر وہاں سے طلاق وعدت کے بعد شوہر اول سے نکاح کر لیا۔ اب اگر دخول دار (یعنی شرط) پایا جاتا ہے تو آیا پہلے والی طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

امام زفر علیہ الرحمہ کے نزدیک تجیز تعلیق کو باطل نہیں کرتی ہے لہذا طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ یمین سبب مجاز محض ہے۔

ہمارے نزدیک تجیز تعلیق کو باطل کر دیتی ہے۔ کیونکہ یمین بر کیلئے مشروع کی گئی ہے (برے مراد قسم کو پورا کرنا یعنی جس چیز کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم اٹھائی ہے اس چیز کا پایا جانا) لہذا ضروری ہے کہ بر فوت ہو جائے تو جزاء کے ذریعے اس کا ضمان ادا کیا جائے اور جب بر کے فوت

ہونے پر جزاء کے ذریعے اس کا ضمان ادا کرنا ثابت ہوا تو یہ شبہ پیدا ہو گیا کہ بر کے فوت ہونے سے قبل ہی فی الحال اس کی جزاء ثابت ہو جائے لہذا اثابت ہوا کہ یمین سبب مجازی ہے جو کہ سبب حقیقی کے مشابہ ہے۔ اس بات کو ایک اور مثال سے بھی سمجھ سکتے ہیں جیسے غاصب پر ضروری ہوتا ہے کہ عین مغصوب لوٹا دے اور اگر وہ فوت ہو جائے تو اس کی قیمت کے ذریعے ضمان ادا کرے۔ تو یہاں عین مغصوب کے ہوتے ہوئے غاصب پر اس کی قیمت واجب ہو نے کا شبہ پیدا ہوا اگرچہ عین مغصوب کی موجودگی میں اس کی قیمت لوٹانا واجب نہیں ہے۔

الحاصل جب ثابت ہوا کہ یمین سبب مجازی ہے جو سبب حقیقی کے مشابہ ہے تو جیسے سبب حقیقی

کیلئے فی الحال محل کا ہونا ضروری ہے اسی طرح اس سے مشابہت رکھنے والے کیلئے بھی فی الحال محل کا ہونا ضروری ہوگا اور جب سبب مجازی (تعلیق) کا محل تجبیز کی وجہ سے فوت ہو گیا تو تعلیق بھی باطل ہو گئی۔

امام زفر علیہ الرحمہ کا قیاس:

تعلیق اپنی بقاء کیلئے محل کی محتاج نہیں ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اپنی مطلقہ ثلاثہ سے کہے ”ان نکحتک فانک طالق“ تو یہ درست ہے یہاں بغیر محل کے تعلیق کی گئی ہے تو جب محل کے بغیر تعلیق کی ابتداء درست ہے تو محل کے بغیر تعلیق کو باقی رکھنا بدرجہ اولیٰ درست ہوگا۔

امام زفر علیہ الرحمہ کے قیاس کا جواب:

امام زفر علیہ الرحمہ کا قیاس ”قیاس مع الفارق ہے“ کیونکہ مذکورہ تعلیق کا تعلق سبب سے ہے اور مقیس علیہ کا تعلق علت سے ہے۔

وضاحت:

مقیس علیہ مسئلہ میں اگرچہ تعلیق کیلئے کوئی محل نہیں ہے۔ لیکن مذکورہ مسئلے کو اس پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ”ان نکحتک فانک طالق“ میں شرط (یعنی نکاح) علت کے معنی میں ہے اسلئے کہ طلاق کی علت ملک طلاق ہے اور ملک طلاق کی علت نکاح ہے (کہ طلاق کی ملکیت نکاح سے حاصل ہوتی ہے) لہذا یہ شرط علت العلۃ (علت کی علت) بن گئی۔ جس سے یہ طلاق کی علت کے معنی میں ہو گئی۔ لہذا شرط کا علت کے معنی میں ہونا معارض بن گیا اس (شرط) کے پائے جانے سے قبل ”معلق کے سبب بننے کے شبہ“ کا۔ کیونکہ اصل تعلیق تقاضہ کرتی ہے معلق کے سبب بننے کے شبہ کا اور شرط کا علت کے حکم میں ہونا تقاضہ کرتا ہے عدم شبہ کا۔ لہذا دونوں میں تعارض ہو گیا تو ”ان نکحتک فانک طالق“ سے ثبوت شبہ ساقط ہو گیا۔ لہذا اس میں محل کے وجود کی شرط بھی نہ رہی۔ اور مطلقاً تعلیق ہی باقی رہ گئی۔ فافہم!

علت کا بیان

لغوی معنی:

﴿اسم لعارض يتغير به وصف المحل لعروضه لا عن اختيار﴾
 علت وہ عارض ہے جس کے لاحق ہونے کی وجہ سے محل کا وصف تبدیل ہو جائے نہ کہ اپنے
 اختیار سے۔ اصطلاحی معنی:

﴿العلّة عبارة عما يضاف اليه وجوب الحكم ابتداء﴾

ترجمہ:

علت وہ وصف ہے جس کی طرف وجوب حکم کی نسبت بلا واسطہ ہو۔
 جیسے بیع ملک کیلئے، نکاح علت کیلئے اور قتل قصاص کیلئے علت ہے۔
 قیودات:

وجوب حکم کی قید سے شرط خارج ہوگئی اور ابتداء کی قید سے سبب، علامت، علت
 العلة سب نکل گئے۔

علت میں اوصاف ثلثہ کا اعتبار

(۱) شرع میں علت کسی حکم کیلئے موضوع ہو اور وہ حکم اس کی طرف بلا واسطہ منسوب ہو۔
 جیسے کسی شخص کا خریدتے ہی آزاد ہو جانا اس میں شراء علت اور اور عتق اس کا حکم ہے۔ اس کو
 علت اسما کہتے ہیں۔

(۲) اس خاص حکم کے اثبات میں علت مؤثر ہو۔ (جیسے مذکورہ مثال) اس کو "علت معنی" کہتے ہیں۔

(۳) علت کے پائے جانے کے ساتھ حکم بھی بلا تاخیر پایا جائے۔ اس کو "علت حکماً" کہتے ہیں۔ علت کاملہ:

وہ علت ہے جس میں مذکورہ تینوں اوصاف پائے جائیں۔ اسے علت حقیقیہ بھی کہتے

ہیں۔

علت کی سات اقسام:

اوصاف ثلاثہ کے اعتبار سے علت کی سات قسمیں بنتی ہیں:

(۱) علت کاملہ (۲) علت اسماء (۳) علت معنی (۴) علت حکماً (۵) علت اسماء و معنی

(۶) علت اسماء و حکماً (۷) علت معنی و حکماً۔

اہلسنت اور معتزلہ کا اختلاف

مذہب اہل سنت:

علت حقیقیہ حکم سے پہلے نہیں پائی جاتی ہے۔ بلکہ ضروری ہے کہ علت حقیقیہ اور حکم دونوں ایک ساتھ پائے جائیں۔ جیسے استطاعت فعل کے ساتھ پائی جاتی ہے۔

مذہب معتزلہ و بعض احناف:

معتزلہ اور ہمارے بعض احناف (ابوبکر محمد بن فضل وغیرہ) کے نزدیک علت حکم سے

پہلے پائی جاتی ہے۔

احناف کی دلیل:

جمہور اہل سنت کے نزدیک استطاعت وہ قدرت ہے جو فعل کے ساتھ پائی جاتی ہے

فعل اس سے متاخر نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح ضروری ہے کہ علت حکم کے ساتھ پائی جائے حکم

اس سے متاخر نہ ہو۔

اگر ہم یہ جائز مان لیں کہ علت حکم سے پہلے پائی جاسکتی ہے تو اس سے شارع کی غرض کو باطل

ماننا پڑے گا کیونکہ شارع نے تو علل کو احکام و استدلال کیلئے وضع کیا تھا۔

علت اسماء و معنی:

اگر کسی معانف کی وجہ سے علت حکم سے پہلے پائی جائے تو یہ علت اسماء و معنی ہوگی نہ کہ

حکماً۔

جیسے بیع موقوف اور بیع بشرط الخيار۔ چونکہ بیع ملک کیلئے موضوع ہے اس لئے یہ علت اسماء ہے اور حکم (یعنی ملک) ثابت کرنے میں مؤثر ہے اس لئے یہ علت معنی ہے مگر چونکہ بائع کی عدم اجازت اور شرط خیاری وجہ سے حکم مؤخر ہے اس لئے یہاں بیع علت حکماً نہیں ہے۔
نوٹ:

بیع موقوف اور بیع بشرط الخيار میں سے ہر ایک علت ہی ہے۔ نہ کہ سبب کیونکہ جیسے ہی مانع زائل ہو جاتا تو حکم اسی اصل بیع سے ثابت ہوتا ہے۔ جیسے بیع موقوف میں مالک کی اجازت مل جائے یا بیع بشرط الخيار میں خیاری شرط ختم ہو جائے تو مشتری اس اصل بیع (جو پہلے طے ہوئی تھی) سے مالک بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان دنوں میں بیع سے حاصل ہونے والی اشیاء جیسے طول، عرض، حسن و جمال، بچہ، دودھ، اون، گھی، پھل وغیرہ کا بھی مالک بن جاتا ہے۔

عقد اجارہ:

عقد اجارہ بھی علت اسماء و معنی ہے نہ کہ حکماً۔

چونکہ عقد اجارہ ملک منافع کیلئے موضوع ہے اس لئے یہ علت اسماء ہے اور حکم (یعنی ملک منافع) کو ثابت کرنے میں یہی مؤثر ہوتا ہے اس لئے علت معنی ہے۔

اسی وجہ سے کہ عقد اجارہ ملک منافع کیلئے علت اسماء و معنی ہے عمل سے پہلے ہی اجرت دینا جائز ہے جسے حولانِ حول سے پہلے ادائے زکوٰۃ جائز ہوتی ہے۔

تاہم یہ علت حکماً نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس کا حکم فی الفور ثابت نہیں ہوتا ہے بلکہ مدت گزرنے کے ساتھ ساتھ ثابت ہوتا رہتا ہے۔

بیع موقوف، بیع بشرط الخيار اور عقد اجارہ میں فرق

بیع موقوف اور بیع بشرط الخيار میں بیع علت ہے جو کہ سبب سے مشابہت نہیں رکھتی ہے۔ جبکہ یہ عقد اجارہ میں علت مشابہ بالسبب ہے کیونکہ اسکی اضافت زمانہ مستقبل کی طرف ہوتی

ہے جیسے کوئی شعبان میں کہے ”اَجَرَ تَكَ الْبَارِ مِنْ غُرَةِ رَمَضَانَ“ یعنی میں نے تجھے رمضان کی پہلی تاریخ سے یہ گھرا جرت پر دیا تو اجارہ کے احکام رمضان کی پہلی تاریخ سے نافذ ہونگے اس سے پہلے نہیں۔

علت کا سبب کے مشابہ ہونے کا قاعدہ کلیہ:

﴿كُلُّ اِيْجَابٍ مُّضَافٍ اِلَى وَقْتٍ عَلَةً اسْمًا وَمَعْنَى لَا حَكْمًا لِّكُنْهٖ يَشْبَهُ

الامْثَالِ﴾

ترجمہ:

ہر عقد جو مستقبل کی طرف منسوب ہو وہ صرف علت اسماء و معنی ہوگا ہے نہ کہ حکماً لیکن وہ عقد (یعنی علت) سبب کے مشابہ ہوگا۔

دوسرے لفظوں میں:

جب بھی علت اور حکم کے درمیان زمانہ متخلل ہو اور وہ حکم اس وقت نہ پایا جائے بلکہ بعد میں پایا جائے تو وہ علت سبب کے مشابہ ہوگی۔

جیسے کوئی کہے ”اَنْتَ طَالِقٌ غَدًا“ (تو تیرا آئندہ کل طلاق) اس میں کل واقع ہونے والی طلاق کی اسماء علت ”اَنْتَ طَالِقٌ“ ہے کیونکہ یہ اس طلاق کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ اور معنی علت بھی یہی ہے کیونکہ اس کے اثبات میں یہی مؤثر ہے۔ البتہ حکماً علت نہیں ہے کیونکہ یہ حکم کوئی الفور ثابت نہیں کر رہا ہے۔ اس کے اور حکم کے درمیان کل تک کا زمانہ حائل ہے۔ اسی وجہ سے یہ سبب کے بھی مشابہ ہے۔

زکوٰۃ:

سال کے شروع میں نصاب زکوٰۃ کیلئے اسماء و معنی علت ہے۔ اسماء اسلئے کہ نصاب کو وجوب زکوٰۃ کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ اور معنی اسلئے کہ نصاب زکوٰۃ کے وجوب میں مؤثر ہوتا ہے۔ کیونکہ غناء (یعنی مالدار) فقراء کی غمخواری کو واجب کرتی ہے البتہ حکماً علت نہیں

ہے کیونکہ حکم ایک زمانہ تک مؤخر ہے جس کی وجہ سے فی الحال نہیں پایا جا رہا ہے۔ وہ اس طرح سے ہے کہ نصاب کو صفت نماء کے ساتھ علت قرار دیا گیا ہے جس کے پائے جانے تک حکم متراخی ہو گیا تو جب حکم متراخی ہو گیا تو یہ علت سبب کے مشابہ ہو گئی۔
نوٹ:

نماء کی دو قسمیں ہیں (۱) نماء حقیقی (۲) نماء حکمی۔

(۱) نماء حقیقی:

نماء حقیقی جیسے جانوروں میں دودھ، گھی اور افزائش نسل کی صورت میں حاصل ہوتا ہے اور تجارت میں مال کی زیادتی کی صورت میں حاصل ہوتا ہے۔
(۲) نماء حکمی:

نماء حکمی حوالانِ حول سے حاصل ہوتا ہے کہ سال میں قیمتوں میں مختلف تغیر سے نماء پیدا ہوتا ہے۔ نصاب سبب کے مشابہ کیوں؟

یہاں نماء جس کے پائے جانے تک حکم مؤخر ہے تو وہ نفس نصاب کی وجہ سے نہیں پایا جاتا ہے اسلئے یہ علت سبب کے مشابہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نماء خود مستقل علت نہیں ہے بلکہ علت کے مشابہ ہے اسلئے بھی نصاب سبب کے مشابہ ہے۔

خلاصہ:

جب حکم ایسے وصف کے پائے جانے تک مؤخر ہو گیا جو مستقل بنفسہ نہیں ہے تو یہ نصاب علت کے مشابہ ہو گیا اور یہ شبہ غالب ہو گیا (کہ نصاب ذاتی طور پر علت کے مشابہ ہے اور حکم کے نماء پر موقوف ہونے کی وجہ سے سبب کے مشابہ ہوا لہذا پہلا شبہ جو کہ اس کی ذات کی جہت سے پایا جا رہا ہے دوسرے پر ترجیح پا گیا کیونکہ دوسرا شبہ اس کے وصف کی جہت سے پایا جا رہا ہے) لہذا ہم کہیں گے کہ نصاب علت کے مشابہ ہے نہ کہ نماء علت کے مشابہ کیونکہ نصاب اصل ہے اور نماء وصف۔

نصاب کا حکم:

نصاب چونکہ علت مشابہ بالسبب ہے لہذا ازکوۃ سال کے آغاز میں قطعی طور پر واجب نہیں ہوگی۔

لیکن نصاب چونکہ علت کے مشابہ ہے اور یہی اصل ہے تو حقیقت میں زکوۃ کا وجوب سال کے آغاز سے ہی ثابت ہو چکا (اگرچہ اسکی ادائیگی بعد اتصاف وصف نماء حولانِ حول قطعی طور پر واجب ہوتی ہے اس سے پہلے نہیں) لہذا اگر صاحب نصاب حولانِ حول سے قبل زکوۃ ادا کر دے ادا ہو جائی گی لیکن وہ زکوۃ حولانِ حول کے بعد ہی زکوۃ شمار ہوگی۔ فافہم! بیع موقوف و بیع بشرط الخيار:

ان بیوع میں بیع کو علت مشابہ بالاسباب نہیں کہا جائیگا کیونکہ ان میں مانع زائل ہو جانے کے بعد حکم ابتدائے عقد سے ہی نافذ ہو جاتے ہیں۔ مرض الموت:

مرض الموت تغیر احکام کیلئے علت ہے (بندہ مرض الموت سے پہلے اپنے مال پر مطلق تصرف یعنی جس طرح چاہے تصرف کر سکتا ہے اس کیلئے تصرف کرنے کا مطلق حکم ہوتا ہے لیکن جب مرض الموت لاحق ہو جائے تو یہ اس حکم کو تبدیل کر کے تصرف کرنے کے اطلاق کو ختم کر دیتا ہے بندہ تصرفات کرنے میں مجبور ہو جاتا ہے۔ اب وہ صرف تہائی حصہ میں تصرف کر سکتا ہے)

یہ اسماء علت ہے کیونکہ شرع میں اسکو تغیر احکام کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ اور معنی علت ہے کیونکہ یہ تغیر احکام میں مؤثر ہے البتہ حکماً علت نہیں ہے کیونکہ اسکا حکم اسکے ”موت“ کے ساتھ اتصال پائے جانے تک مؤخر ہے (یعنی یہ مرض جب موت تک پہنچا دے تو اسکا حکم پایا جائے گا) چونکہ مرض الموت کا حکم ایک دوسری چیز وصف اتصال کے پائے جانے پر موقوف ہے لہذا مرض الموت علت شبیہ السبب بن گیا لیکن فی الواقع یہ تغیر احکام کیلئے

علت ہی ہے۔

نصاب و مرض الموت میں فرق:

مرض الموت نصاب کے مقابلے میں علت کے زیادہ مشابہ ہے یوں علت بننے کے اعتبار سے مرض الموت نصاب سے زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ مرض الموت کا وصف اتصال خود اسی مرض کی وجہ سے ہوتا ہے جبکہ نصاب کا وصف نماء دوسری چیز حیوانات میں دودھ، گھی، نسل وغیرہ کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے۔

شراء قریب!

اسی طرح شراء قریب "عق" کی علت ہے۔ یعنی قریبی عزیز کو خریدنا اسکے آزاد ہونے کی علت ہے

لیکن موجبات شراء کے واسطے سے اور وہ ہے "ملک" کیونکہ شراء ملک کو ثابت کرتا ہے اور ملک فی القریب عتق کو ثابت کرتی ہے "جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان عالیشان ہے "من ملک ذار حرم محرم منه عتق علیہ" چونکہ یہاں علت اور حکم کے درمیان واسطہ پایا گیا ہے جس پر حکم کا پایا جانا موقوف ہے لہذا یہ علت اسباب کے مشابہ ہے اور یہ شراء علت اسلئے ہے کہ یہ "علة العلة" ہے یعنی عتق کی علت ملک فی القریب ہے اور ملک فی القریب کی علت شراء ہے یوں یہ "علة العلة" ہے جیسے "رمی" قتل کی علت ہے مگر اسباب کے مشابہ ہے کیونکہ رمی اپنے موجبات (جیسے تیر کا چلنا، ہوا میں بلند ہونا اور مقتول کو پہنچنا) کے واسطے سے قتل کی علت بنتی ہے۔ اور یہ علة العلة بھی ہے کہ قتل کی علت "تیر کا فضاء میں بلند ہونا اور مقتول کو جا لگنا" ہے اور یہ "تیر کے فضاء میں بلند ہونے اور مقتول کو جا لگنے" کی علت رمی ہے۔

نوٹ:

مصنف علیہ الرحمہ نے دیگر مثالوں کی طرح اس مثال کے بارے میں نہیں کہا کہ یہ اسما

و معنی علت بن رہا ہے نہ حکماً اس کی وجہ یہ ہے کہ امام فخر الاسلام علیہ الرحمہ کے نزدیک علت کی مذکورہ سات اقسام کے علاوہ ایک قسم اور ہے اور وہ ہے ”علت شبیہ سبب“ محسوس ہوتا ہے کہ مصنف علیہ الرحمہ نے امام فخر الاسلام کی پیروی کرتے ہوئے اس کی آٹھویں قسم کو مانا ہے اور یہ مثال اس قسم کی بیان کی ہے۔

علت معنی و حکماً کی مثال:

جب حکم کا تعلق ایسے دو وصفوں سے ہو جن میں سے ہر ایک مؤثر ہو تو ان دونوں میں سے جو بھی وجوداً مؤخر ہوگا وہ حکماً اور معنی علت ہوگا۔ حکماً اسلئے کہ اسکے رائج ہونے کے سبب حکم اسی کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ معنی اسلئے کہ اثبات حکم میں یہ مؤثر ہوتا ہے جیسے قرابت و ملک دونوں وصف مؤثر ہیں عتق کیلئے۔ دوسرا وصف وجوداً مؤخر ہے جو کہ معنی و حکماً علت ہے۔ حکماً اس طرح ہے کہ حکم عتق اس پر

مرتب ہے اور معنی اس طرح ہے کہ اثبات عتق میں یہ مؤثر ہے۔ رہا پہلا وصف تو وہ علت کے مشابہ ہوگا سبب محض نہیں ہوگا کیونکہ وہ معنی علت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علت ربوا کے دو وصفوں (قدروجنس) میں سے ایک وصف پایا جائے تو بیع نسیئۃ (ادھار میں بیع) حرام ہوتی ہے کیونکہ اس میں شبہ فضل ہوتا ہے (یعنی کسی ایک کی طرف سے زیادۃ کا شبہ ہوتا ہے) جسکی وجہ سے حکم ربوا پایا جاتا ہے اگرچہ فی الواقع ایسا نہیں ہوتا ہے۔

یہاں علت کے دو وصفوں میں سے ایک وصف کے پائے جانے کی وجہ سے علت کے ساتھ مشابہت پائی گئی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ ”حرمت کے باب میں شبہ حقیقت کی طرح ہوا کرتا ہے۔“

علت اسماً و حکماً کی مثال:

سفر رخصت کی علت ہے (کہ اسکی وجہ سے قصر صلوٰۃ کا حکم اور افطار صوم کی رعایت ہے) اسماً علت اس طرح سے ہے کہ شرع میں رخصت کی نسبت اسی کی طرف کی جاتی ہے

اور حکماً اس طرح سے ہے کہ آغازِ سفر سے ہی متصلاً رخصت کا حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ تاہم یہ معنی علت نہیں ہے کیونکہ حکم سفر کے اثبات میں یہ مؤثر نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ (سفر کی وجہ سے ہونے والی) مشقت مؤثر ہوتی ہے۔ لیکن اس مشقت کا سبب چونکہ سفر ہے اس لئے اس کو مسبب (یعنی مشقت) کے قائم مقام کر دیا۔

قائم مقام بنانے کی دو قسمیں ہیں

ایک چیز کو دوسری چیز کے قائم مقام بنانے کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) سبب داعی کو مسبب مدعو کے قائم مقام بنانا:

مثلاً سفر یہ سبب داعی ہے مشقت کی طرف جو کہ مسبب مدعو ہے اسی طرح مرض یہ سبب داعی ہے ہلاکت یا زیادتی مرض کی طرف جو کہ مسبب مدعو ہے۔ لہذا سفر کو مشقت اور مرض کو زیادۃ یا ہلاکت کے قائم مقام بنا دیا گیا۔

(۲) دلیل کو مدلول کے قائم مقام بنانا:

مثلاً خبر محبت کو محبت کے قائم مقام کر دینا (کہ محبت کی خبر دینا محبت کی دلیل ہے اور محبت مدلول ہے لہذا کوئی کسی سے محبت کرنے کی خبر دے تو اس کو عین محبت سمجھ لینا دلیل کو مدلول کے قائم مقام بنانا ہے) جیسے کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہے ان احببتنی فان طالق زوجہ کہے احببتک تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ (یاد رہے یہ خبر محبت ہے جسے محبت کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے) اسی طرح اباحت طلاق میں ”طہر خالی عن الجماع“ کو حاجت طلاق کے قائم مقام کیا گیا ہے۔ کہ طلاق دینا منع ہے کیونکہ اس سے نکاح مسنون کا قطع لازم آتا ہے مگر اس کو ضرورت کے وقت مباح کر دیا گیا ہے۔ کہ انسان بعض مرتبہ حقوق نکاح قائم رکھنے سے عاجز آ جاتا ہے۔ لیکن چونکہ حاجت باطنی چیز ہے جو کہ دوسرے کو معلوم نہیں ہوتی لہذا طہر خالی عن الجماع کو اس کے قائم مقام بنا دیا گیا۔ کہ طہر خالی عن الجماع میں انسان کی بیوی کی طرف رغبت ہوتی ہے مگر وہ اپنی حاجت طلاق کی وجہ اس سے باز رہتا ہے

کہ شرعاً حاجت طلاق طہر میں وطی سے روکتی ہے۔ یوں طہر خالی عن الجماع اس کی حاجت کی دلیل ہوتا ہے جس کو اس حاجت کے قائم مقام بنا دیا گیا۔

شرط کا بیان

شرط کا لغوی معنی ”علامت“ ہے۔

اصطلاحی معنی:

﴿عبارۃ عما یضاف الیہ الحکم وجودا عندہ لا وجوباً بہ﴾

یعنی ایسی چیز جس کے وجود کی طرف وجود حکم منسوب ہو لیکن حکم اس کی وجہ سے واجب نہ ہو۔

شرط کی اقسام اربعہ

شرط کی چار قسمیں ہیں:

(۱) شرط محض

(۲) شرط فیہ معنی العلة

(۳) شرط فیہ معنی التبعية

(۴) شرط مجازی (یعنی اسما و معنی شرط)

امام فخر الاسلام بزدوی علیہ الرحمہ شرط کی پانچ اقسام مانتے ہیں ان کے نزدیک پانچویں قسم

”شرط بمعنی ”العلامة الخالصة“ ہے۔ جبکہ جمہور کے نزدیک یہ ”علامت محض“ ہے جو کہ

شرط کا غیر ہے۔

شرط محض:

وہ شرط جس کے وجود کی طرف حکم کا وجود منسوب ہو اور شرط کے ساتھ ایسی علت بھی

پائی جائے جس کی طرف حکم منسوب کرنا درست ہو۔

مثلاً:

کوئی شخص طلاق کو دخول دار کے ساتھ معلق کر دے جیسے کہ ”إِنْ دَخَلْتُ الدَّارَ فَافُتِّقْتُ“

نت طالق “ یہاں دخول دار (جو کہ شرط ہے) کے پائے جانے سے طلاق (جو کہ حکم ہے) پائی جائے گی۔ لیکن یہ طلاق دخول دار کی وجہ سے واجب نہیں ہوگی کیونکہ طلاق کی علت دخول دار نہیں ہے بلکہ اس کے الفاظ ”فانت طالق“ ہیں۔
 شرط فیہ معنی العلة :

ایسی شرط جو علت کے قائم مقام ہو۔

جیسے راستے میں کنواں کھودنا جس میں کوئی گر کر مر جائے۔

یہاں تین چیزیں پائی گئیں۔ (۱) راستے میں کنواں کھودنا (۲) آدمی کا کنویں کی طرف چلنا (۳) آدمی کا ثقل اور سفل (نیچے) کی طرف میلان۔

راستے میں کنواں کھودنا آدمی کے گرنے کی شرط ہے۔ آدمی کا چلنا سبب محض ہے اور ثقل سقوط کی علت ہے۔

بندے کا چلنا امر مباح ہے اس میں کوئی جنایت نہیں ہے لہذا ثقل کے واسطے سے اسکو علت نہیں بنایا جاسکتا۔ اسی طرح علت میں بھی صلاحیت نہیں کہ حکم اسکی طرف منسوب کیا جائے کیونکہ ثقل طبعی میں کوئی تعدی نہیں ہے کہ اس پر ضمان واجب کیا جاسکے کیونکہ یہ چیز قدرتی تخلیق سے حاصل ہے۔ اس میں بندے کا کوئی دخل نہیں ہے تو جب سبب میں بھی علت بننے کی صلاحیت نہیں ہے اور خود علت ترتیب حکم کی صلاحیت میں شرط کے معارض نہیں ہے۔ لہذا حکم شرط کی طرف ہی منسوب ہوگا کیونکہ زمین ثقل چیز کو نیچے جانے سے روکنے والی تھی کہ بندے نے کنواں کھود کر اس مانع کو دور کر دیا جس کی وجہ سے بندہ اس میں گرا۔ اور یہ علت کے مشابہ بھی ہے جیسے علت کی طرف وجود حکم کی نسبت ہوتی ہے ایسے ہی شرط کی طرف بھی ہوتی ہے چنانچہ اس کو نفس اور جمیع اموال کے تاوان میں علت کے قائم مقام بنا دیا گیا۔

اگر علت میں صلاحیت ہو:

اگر علت میں ترتیب حکم کی صلاحیت ہو تو شرط علت کے حکم میں نہیں ہوگی۔

جیسے دو آدمیوں نے گواہی دی کہ زید نے اپنی بیوی سے اس طرح کہا ہے ”ان دخلت الدار فانت طالق“ (یہ دونوں گواہ شہود یمین کہلاتے ہیں) پھر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ دخول دار پایا گیا ہے (یہ دونوں گواہ شہود شرط کہلاتے ہیں) قاضی نے انکی گواہی پر نفاذ طلاق اور شوہر پر ادائیگی مہر لازم ہونے کا فیصلہ دیدیا۔ (یاد رہے شہود یمین ”علت“ اور شہود شرط ”شرط“ کے منز لے میں ہیں)

اس فیصلے کے بعد تمام گواہوں نے اپنی اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو ضمان شہود یمین پر ہوگا کیونکہ وہی شہود علت ہیں اور علت میں حکم کے ترتب کی صلاحیت موجود ہے۔

علت صالحہ اور سبب جمع ہو جائیں تو سبب ساقط ہو جائے گا:

جیسے دو آدمیوں نے گواہی دی کہ زید نے اپنی زوجہ کو طلاق کا اختیار دیا ہے یا غلام کو اپنے آپ کو آزاد کرنے کا اختیار دیا ہے (یہ دونوں گواہ شہود تخیر کہلاتے ہیں) پھر دوسرے دو آدمیوں نے گواہی دی کہ زید کی بیوی نے اپنے آپ کو اختیار کر لیا ہے (یعنی طلاق دیدی ہے) یا اسکے غلام نے اپنے آپ کو آزاد کر دیا ہے (یہ دونوں شہود اختیار کہلاتے ہیں) قاضی انکی گواہیوں کا اعتبار کرتے ہوئے طلاق کا اور شوہر پر مہر لازم ہونے کا یا غلام کے آزاد ہونے کا فیصلہ کر دیا پھر تمام گواہوں نے اپنی اپنی گواہیوں سے رجوع کر لیا کہ ہم نے تو ویسے ہی کہا تھا تو ضمان ”شہود اختیار“ پر لازم آئے گا۔ کیونکہ وہی شہود علت ہیں اور علت میں ترتب حکم کی صلاحیت موجود ہے جبکہ تخیر سبب ہے لہذا ”شہود تخیر“ بھی بمنزلہ سبب کے ہیں۔

نوٹ:

ان دونوں مثالوں میں زوجہ سے مراد غیر مدخول بہا ہے کیونکہ مدخول بہا کا مہر تو شوہر پر لازم

ہوتا ہی ہے۔

اسی طرح:

مذکورہ اصول کے تحت مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

”اگر کنویں میں گر کر مرنے والے کے ولی اور حافر کے درمیان اختلاف ہو جائے کہ ولی کہے ”وہ حادثاتی طور پر گرا ہے“ حافر کہے اس نے اپنے آپ کو عدا گرایا ہے تو حافر کا قول معتبر ہو گا۔ کیونکہ حفر شرط ہے اور عدا سقوط علت صالحہ ہے لہذا حکم اسی پر مرتب ہو گا۔
اعتراض:

کوئی شخص اپنے آپ کو عدا کنویں میں نہیں گراتا لہذا قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ حافر کا قول نہ مانا جائے؟ جواب:

اگر ہم قیاس جلی کا اعتبار کریں تو حکم اصل پر مرتب نہیں ہو گا۔ کیونکہ ہمیں ایسی صورت میں حکم کو شرط پر مرتب کرنا ہو گا اور یہ خلاف اصل ہے جبکہ استحسان کا اعتبار کریں تو حکم اصل پر مرتب ہو گا یعنی علت صالحہ پر اسی لئے استحسان پر عمل کیا گیا ہے۔ اور حافر نے بھی اصل سے استدلال کیا ہے اور علت صالحہ کے ہوتے ہوئے شرط کے خلیفہ بننے کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ شرط اس وقت خلیفہ بنتی ہے جب علت غیر صالحہ ہو۔



البتہ اگر مجروح مقتول (زخمی مقتول) کے ولی اور جارج میں اختلاف ہو جائے جارج کہے ”وہ میرے زخم لگانے کی وجہ سے نہیں بلکہ کسی اور وجہ سے مرا ہے“۔ ولی کہے ”وہ تیرے زخم لگانے سے مرا ہے“۔ تو ولی کا قول معتبر ہو گا کیونکہ ”جرح“ علت صالحہ ہے لہذا کسی اور سبب عارضی کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

شرط فیہ معنی السببۃ:

یعنی وہ شرط جس میں سببیت کا معنی ہو۔

اصول مذکورہ میں بتایا جا چکا ہے کہ جب علت صالحہ ہو تو حکم اسی پر مرتب ہو گا سبب یا شرط پر مرتب نہیں ہو گا۔

جیسے کسی نے غلام کی زنجیر (یا کوئی بھی چیز جس سے غلام کو مقید کیا ہو) کھول دی اور وہ غلام بھاگ گیا تو حال (بندھن کھولنے والا) پر ضمان واجب نہیں ہوگا بلکہ ضمان کی نسبت غلام کے اباقی (یعنی بھاگنے) کی طرف ہوگی۔ کیونکہ تلف غلام (یعنی غلام کا فرار ہونے کی صورت میں ضائع ہو جانا) کی علت خود غلام (جو کہ فاعل مختار ہے) کا ”فعل اباقی“ ہے اور حال کا فعل شرط ہے جو کہ علت پر مقدم ہونے کی وجہ سے سبب کے معنی میں ہے (کہ پہلے بندھن کھولنا پایا گیا پھر بھاگنا پایا گیا ہے جو کہ علت ہے اسلئے بندھن کھولنا شرط فی معنی السبب قرار پایا) کیونکہ حال کے فعل سے صرف مانع کا ازالہ ہوا ہے جو کہ غلام کے تلف کو مستلزم نہیں ہے۔ ہذا جب فاعل مختار کا فعل ہی علت ٹھہرا جس میں ترتب حکم کی صلاحیت بھی ہے لہذا حکم اس پر ترتب ہوگا۔

اعتراض:

الشرط ما يتاخر عن العلة یعنی شرط تو علت کے بعد پائی جاتی ہے جبکہ یہاں ”حل“ جو کہ شرط ہے علت سے پہلے پایا جا رہا ہے؟

جواب:

یہاں شرط فیہ معنی السبب ہے یعنی یہ شرط سبب کے معنی میں ہے اور السبب ما يتقدم علی العلة یعنی سبب علت پر مقدم ہوتا ہے۔ لہذا اعتراض وارد نہیں ہوگا۔

نوٹ:

یہاں شرط جس سبب کے معنی میں ہے وہ سبب محض ہے سبب فیہ معنی العلة نہیں ہے کیونکہ یہاں سبب اور حکم کے درمیان جو علت پائی جا رہی ہے وہ فاعل مختار کا فعل ہے نہ کہ فاعل غیر مختار کا فعل۔ اسی لئے اس شرط کو شرط فی معنی السبب بھی کہا جاتا ہے۔

دوسری مثال:

اگر کوئی شخص راستے میں چو پایہ چھوڑ دے اور وہ دائیں بائیں پھرے (یعنی جیسے آزاد

جانور راستے میں جس طرف چاہے جاتا ہے) اور کسی چیز کو ہلاک کر دے تو جانور کو چھوڑنے والے (یعنی مُرسل) پر ضامن نہیں ہوگا کیونکہ مرسل کا فعل ارسال جولانِ دابہ (جانور کے ادھر ادھر پھرنے) کی وجہ سے منقطع ہو گیا ہے۔ لہذا حکم فاعل مختار (دابہ) کے فعل پر مرتب ہوگا جو کہ علتِ صالحہ ہے۔

مرسل اور حال میں فرق:

مرسل کا فعل سبب محض ہے شرط نہیں ہے کیونکہ اس فعل سے کسی مانع کا ازالہ نہیں ہوا ہے اور حال کا فعل شرط فی معنی السبب ہے کیونکہ اس فعل سے مانع کا ازالہ ہوا ہے۔ لہذا ان کے درمیان صرف اسماء فرق ہے۔ حکماً دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے کہ ان میں سے کسی کے ساتھ بھی علتِ صالحہ جمع ہو جائے تو حکم علتِ صالحہ پر ہی مرتب ہوتا ہے۔ اگر کوئی پیچمرہ کھول کر پرندہ اڑا دے:

اگر کسی نے پرندے کا پیچمرہ کھول دیا اور پرندہ اڑ گیا تو اس میں پرندے کا فعل (اڑ جانا) علت ہے اور

فاتح (دروازہ کھولنے والے) کا فعل شرط ہے جس میں سببیت کا معنی موجود ہے کیونکہ یہ علت پر مقدم ہے۔

اب فاتح کے فعل کی طرف ضمان کی نسبت ہوگی یا نہیں اس بارے میں ائمہ ثلاثہ علیہم السلام حمہ کا اختلاف ہے۔

شیخین علیہما الرحمۃ فرماتے ہیں:

فاتح پر ضمان نہیں ہوگا۔ کیونکہ فاتح کا فعل بشرط فیہ معنی السبب ہے اور پرندے کا فعل فاعل مختار ہے یوں فاتح کا فعل شرط فی معنی السبب المحض بن گیا لہذا ضمان کا حکم علتِ صالحہ (فاعل مختار کا فعل) پر مرتب ہوگا۔ نہ کہ فاتح پر۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

پرندے کا فعل فاعل غیر مختار کا فعل ہے کیونکہ اثرنا اسکی طبیعت میں شامل ہے لہذا افاتح کا فعل شرط فیہ معنی العلة ہے لہذا اس پر ضمان لازم ہوگا۔

اعتراض:

حضریر کے مسئلے میں بھی کرنے والا فاعل مختار ہوتا ہے لہذا پرندے وغیرہ کی طرح اسکے فعل کی طرف بھی ضمان کی نسبت کرنی چاہیے؟

جواب:

کرنے والا فاعل مختار تو ہوتا ہے لیکن کرنے میں اسکا اپنا اختیار نہیں ہوتا ہے۔ اگر اسکا اپنے آپ کو عہداً کرانا ثابت ہو جائے تو پھر ضمان کی نسبت اسکے فعل کی طرف ہی کی جائے گی۔ یوں اسکا خون رائیگاں جائے گا۔

شرط مجازی:

یعنی وہ شرط جو اسماء اور معنی تو شرط ہو مگر حکمانہ ہو (یعنی اس سے حکم ثابت نہ ہو) جیسے کوئی اپنی زوجہ سے کہے ”ان دخلت هذه الدار و هذه الدار فانت طالق“ تو اس میں ایک دخول دار شرط ہے ”اسماً“۔ کیونکہ حکم اگرچہ مکمل طور پر اس پر موقوف نہیں ہے کہ ایک گھر میں دخول سے طلاق نہیں پائی جائے گی۔ مگر فی الجملہ اس پر موقوف بھی ہے کیونکہ اگر دوسرے گھر میں دخول پایا جائے اور پہلے والے میں نہ پایا جائے تب بھی طلاق ثابت نہیں ہوگی۔

نوٹ:

یہ بات چونکہ بہت آسان ہے اس لئے مصنف علیہ الرحمہ نے اسکو ذکر نہیں کیا ہے۔

عقل کا بیان

علامت کا لغوی معنی ہے ”الامارة“ (نشان)

جیسے راستے میں میں میل کا نشان اور مسجد کیلئے مینار کا نشان۔

العلامة ما يعرف الوجود من غير ان يتعلق به وجوب ولا وجود
یعنی علامت وہ چیز ہے جو حکم کی پہچان کرادے اس طور پر کہ حکم کے وجوب و وجود کا اس سے
کوئی تعلق نہ ہو
قیودات:

ما يعرف الوجود میں شرط اور علت داخل تھی من غير ان يتعلق به وجوب کہا تو
علت نکل گئی اور لا وجود کہا تو شرط نکل گئی اور تعریف جامع و مانع ہو گئی۔
مثال:

باب زنا میں حکم زنا ”رجم“ کے پائے جانے کی علامت ”احسان“ (شادی شدہ ہونا)
ہے۔ اور حکم زنا کی علت ”زنا“ ہے۔ چنانچہ رجم کے پائے جانے کے لئے علامت
(احسان) کا پایا جانا ضروری ہے تا کہ حکم کی پہچان ہو سکے۔ چونکہ علامت کا ”وجوب حکم
“ اور ”وجود حکم“ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے۔ لہذا دو آدمی گواہی دیں کہ زانی شادی شدہ ہے
اور قاضی اس پر رجم کا فیصلہ صادر کر دے اب اگر حد نافذ کرنے کے بعد وہ گواہ اپنی گواہی
سے رجوع کر لیں کہ ہم نے تو ویسے ہی کہا تھا تو ان پر کوئی ضمان واجب نہیں ہوگا کیونکہ
علامت میں نہ تو یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ اس پر حکم مرتب ہو نہ ہی علت کے قائم مقام بن سکتی
ہے کہ اسکو علت کا خلیفہ قرار دیا جائے۔

نوٹ:

علامت کو مجازاً شرط بھی کہا جاتا ہے۔

علامت کا بیان

خطابات شرعیہ کا تعلق چونکہ عقل سے ہے اسلئے مصنف علیہ الرحمہ خطابات شرعیہ کی
بحث سے فارغ ہو کر عقل کی بحث ذکر کر رہے ہیں۔

فائدہ:

حسن و قبح کے تین معانی ہیں:

(۱) جو چیز طبیعت کے مناسب و موافق ہو وہ حسین ہے اور جو طبیعت کے مناسب نہ ہو بلکہ منافر ہو وہ قبیح ہے۔

(۲) جس چیز میں صفت کمال پائی جائے وہ حسین ہے اور جس چیز میں صفت نقصان پائی جائے وہ قبیح ہے۔

(۳) جو چیز دنیا میں مدح اور آخرت میں ثواب کے قابل ہو وہ حسین ہے اور جو چیز دنیا میں مذمت اور آخرت میں عذاب کا سبب ہو وہ قبیح ہے۔

اب اصل بحث کی طرف آتے ہیں کہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ عقل علیٰ موجبہ میں سے ہے (یعنی عقل احکام کو واجب کرنے والی ہے) یا نہیں۔

معتزلہ کا مذہب:

عقل کا درجہ عقل شرعیہ سے زیادہ ہے کیونکہ عقل شرعیہ تو علامت ہوتی ہیں جبکہ عقل علت موجبہ و محرمہ ہوتی ہے (یعنی احکام کو واجب بھی کرتی ہے اور حرام بھی کرتی ہے) لہذا جو چیز عقل کو حسین لگے گی اسکو واجب قرار دیگی اور جو چیز قبیح لگے گی اسکو حرام و ناجائز قرار دیگی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک رویت باری تعالیٰ، عذاب قبر، میزان و احوال آخرت غیر مسلم ہیں کیونکہ یہ چیزیں عقل میں نہیں آتیں۔ اسی طرح ان کے نزدیک افعال قبیحہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں ہیں۔ کیونکہ عقلاً ان افعال کی تخلیق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا قبیح ہے۔

اسی طرح ان کے نزدیک بندہ چھوٹا ہو یا بڑا اگر عاقل ہے تو اس پر ایمان لانا واجب ہے اگرچہ اس تک کسی نے دعوت نہ پہنچائی ہو لہذا اگر ایسا شخص طلب حق نہ کرے اور ایمان قبول نہ کرے تو عند اللہ اسکا کوئی عذر قابل قبول نہیں ہوگا اگرچہ اسکو کسی نے دعوت نہ دی ہو

اور اسے اسکا بالکل علم بھی نہ ہو۔

اشعریہ کا مذہب:

احکام شرعیہ میں عقل کو کوئی دخل نہیں ہے صرف سننے کا اعتبار ہے۔ لہذا کوئی شخص کتنا ہی عقلمند کیوں نہ ہو اگر اس تک دعوت حق نہ پہنچی ہو، اس سے متعلق کچھ نہ سنا ہو اور وہ شرک کا اعتقاد رکھے تو وہ معذور ہے وہ جنت میں بھی جاسکتا ہے۔

ماتریدیہ کا مذہب:

اہلیت ثابت کرنے کے لئے عقل معتبر ہے (یعنی بندہ احکام شرعیہ کا مکلف ہے یا نہیں اس میں عقل کا اعتبار کیا جاتا ہے) یہی مذہب احناف کا بھی ہے۔

نوٹ:

یہی مذہب معتدل ہے افراط و تفریط سے خالی ہے کہ عقل نہ تو عقل شرعیہ سے اعلیٰ ہے نہ ہی احکام شرع میں مکمل طور پر غیر معتبر ہے۔
عقل کا اصطلاحی معنی:

﴿هُوَ نُورٌ فِي بَدَنِ الْآدَمِيِّ يَضِيئُ بِهِ الطَّرِيقُ يَتَدَأُّ بِهِ مِنْ حَيْثُ يَنْتَهِي
إِلَيْهِ دَرْكُ الْحَوَاسِ فَيَبْدُو الْمَطْلُوبُ لِلْقَلْبِ فَيَدْرِكُهُ الْقَلْبُ بِتَامِلِهِ بِتَوْفِيقِ
اللَّهِ تَعَالَى لَا بَابَ جَابِهِ﴾

یعنی عقل انسان کے بدن میں ایسا نور ہے جس کے سبب انسانی فکر روشن ہوتی ہے، وہ اس کے ذریعے کسی چیز کے ادراک حاصل کرنے کی ابتدا کرتا ہے اس جگہ سے جہاں حواس خمسہ کا ادراک منتہی ہو جاتا ہے پس مطلوبہ چیز عقل کے عین باطن کے سامنے ظاہر ہو جاتی ہے۔ تو عین باطن غور و فکر کے ذریعے اس چیز کا ادراک کر لیتا ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوتا ہے نہ کہ عقل کے واجب کرنے سے۔

جیسے عالم دنیا میں سورج کہ جب طلوع ہوتا ہے، اور شعاعیں ظاہر ہوتی ہیں اور راستہ روشن

ہو جاتا ہے تو انسان اس کی روشنیوں کی وجہ سے مربیات کو دیکھتا ہے نہ کہ سورج ان اشیاء کی رویت کو واجب کرتا ہے۔ تو اسی طرح عین باطن بھی عقل کے نور کے ذریعے اشیاء کا ادراک کرتا ہے نہ کہ عقل ان اشیاء کے ادراک کو واجب کرتی ہے۔
عقل کافی نہیں ہے:

عقل اشیاء کا ادراک کرنے کا ایک آلہ ہے مگر ان کا ادراک اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں ہوگا۔
عقل نابالغ مکلف نہیں:

چونکہ عقل موجب یا محرم نہیں ہے اسلئے ہم کہتے ہیں کہ نابالغ اگرچہ عاقل ہو مگر ایمان لانے کا مکلف نہیں ہوتا حضور ﷺ کا ارشاد ہے ”رفع القلم عن ثلاث عن النائم حتی استيقظ وعن الصبی حتی یبلغ وعن المعتوه حتی یعقل“ (رواہ الترمذی) یعنی تین افراد سے قلم اٹھالیا گیا ہے۔

(۱) سوئے ہوئے سے یہاں تک کہ وہ جاگ جائے۔ (۲) بچے سے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے (۳) نیم پاگل سے یہاں تک کہ وہ عاقل ہو جائے۔
مراہقہ کے ایمان کا حکم:

مراہقہ ایسی لڑکی ہے جو بلوغت کے قریب ہو۔ جب کسی مسلمان کے نکاح میں ہو، اسکے والدین مسلمان ہوں، اس نے اسلام کا اقرار یا انکار نہ کیا ہو اور اسلام کی توصیف بھی بیان نہ کر سکے۔ اسکو مرتد نہیں کہا جائے گا نہ ہی وہ اپنے شوہر سے بائن ہوگی کیونکہ اس وقت وہ مکلف بالا اسلام نہیں ہے۔ اور اگر

بالغ ہونے کے بعد بھی اسلام قبول نہ کرے تو پھر شوہر سے بائن ہو جائے گی۔

عاقل بالغ کو دعوت نہ پہنچے تو حکم:

عاقل بالغ کو دعوت ایمان نہ پہنچے تو وہ محض عقل کی وجہ سے مکلف بالا اسلام نہیں ہوگا۔

اگر وہ اسلام

و کفر کے بارے میں کچھ بتانہ سکے نہ ہی کسی ایک کا اعتقاد رکھے تو اسے معذور سمجھا جائے گا۔ اور اگر اسے اللہ تعالیٰ کی مدد ہو اور اتنی مہلت مل جائے کہ عواقب کا ادراک حاصل کر سکے (یعنی نظام کائنات وغیرہ کو دیکھ کر نتیجہ تک پہنچ جائے کہ یقیناً اس کا صانع بھی کوئی ہوگا) تو وہ اب معذور نہیں کہلائے گا اگرچہ اس تک دعوت نہ پہنچی ہو مگر دعوت کے قائم مقام چیز اس تک پہنچ چکی ہے۔ لہذا اگر ایمان نہ لائے تو کفر کا حکم لگایا جائے گا۔

جیسے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اگر سفیہ پچیس سال کا ہو جائے تو اسے اس کا مال دے دیا جائے گا کیونکہ اس نے تجربہ اور آزمائش کی مدت پوری کر لی ہے تو ضروری ہے کہ اس میں رشد و ہدایت کا اضافہ ہو اور شعور حاصل ہو۔ چونکہ رشد و ہدایت کی مدت پوری ہو گئی ہے مگر اس میں یہ آیا نہیں ہے اس لئے اب مدت کو اس کے قائم مقام مانا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِنْ أَنْتُمْ مِنْهُمْ رُشِدًا﴾

یہاں ”رشداً“ نکرہ ہے جو کہ عام ہے رشد تحقیقی اور تقدیری دونوں کو شامل ہے یعنی رشد حقیقتاً پایا جائے یا تقدیراً تم ان کا مال انہیں دیدو۔

اعتراض:

قیاس کا تقاضہ ہے کہ سفیہ کو اس کا مال تین دن بعد دے دیا جائے جیسے مرتد کو تین دن کی مہلت دی جاتی ہے؟

جواب:

مرتد اور سفیہ میں یکسانیت نہیں ہے کیونکہ مرتد عاقل ہوتا ہے اور سفیہ غیر عاقل اور عقل کے باب میں مہلت دینے کی حد کے تعین پر کوئی دلیل قطعی نہیں ہے کہ تین دن یا زیادہ کی مدت معین کی جائے کیونکہ انسانی عقل کے درجات مختلف ہوتے ہیں کہ کتنے ہی عقلمند مختصر

وقت میں ہدایت حاصل کر لیتے ہیں یا ہمیشہ کے لئے محروم رہتے ہیں۔

جو لوگ عقل کو عقل شرع سے ”اوپر“ اور ”حاکم“ مان لیتے ہیں ان کے پاس اس پر کوئی دلیل نہیں ہے جس پر اعتماد کیا جاسکے نہ عقلی نہ عقلی۔ بلکہ عقل کو حاکم کیسے مانا جاسکتا ہے کیونکہ یہ نفسانی خواہشات سے جدا نہیں ہوتی ہے تو جو چیز نفسانی خواہشات سے جدا نہ ہو وہ کیونکر مستقل طور پر حاکم بن سکتی ہے؟ لہذا عقل کسی حال میں بھی مستقل طور پر حاکم نہیں بن سکتی۔ اسی طرح وہ لوگ جو عقل کو بالکل بے دخل مانتے ہیں ان کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ان لوگوں میں حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ بھی ہیں اسی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ وہ قوم معذور ہے جس کو دعوت نہ پہنچی ہو لہذا اس کو اگر کوئی قتل کر دے تو قاتل پر ضمان لازم ہوگا کیونکہ اس کا کفر معاف ہے اس لئے وہ شرعی طور پر مکلف بالاسلام نہیں ہے۔

اس مسئلے سے اور عقل کو لغو قرار دینے والوں کی وضاحت سے معلوم ہوا کہ وہ عقل کو اجتہاد اور عقلی دلیل کے ذریعے بے دخل و لغو قرار دیتے ہیں اور یہ خود ان کے مذہب کے خلاف ہے (کہ ایک طرف عقل کو لغو مانتے ہیں اور دوسری طرف اپنے اس دعویٰ کو عقلی دلیل سے ثابت کرتے ہیں یہ صریح تناقض ہے) لہذا افراط و تفریط سے خالی معتدل مذہب یہی ہے کہ عقل کو احکام شرعیہ میں معتبر مانا جائے۔

جب ثابت ہو گیا کہ عقل اثبات اہلیت میں معتبر ہے تو اب مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اہلیت سے متعلقہ کلام کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اہلیت انسان (۲) اہلیت انسان پر عارض ہونے والے امور

اہلیت کا بیان

اہلیت:

اہلیۃ الانسان للشئ عبارة عن صلاحیته لوجوب الحقوق المشروعة

لہ وعلیہ

شرع میں انسان کی اہلیت یہ ہے کہ اس میں ایسی صلاحیت ہو کہ ”اس کیلئے“ اور ”اس پر“ حقوق شرعیہ واجب کئے جاسکیں۔ (لہ ”اس کیلئے“ سے مراد یہ ہے کہ وجوب بجالائے تو اس کیلئے نفع ہوگا اور علیہ ”اس پر“ سے مراد یہ ہے کہ روگردانی کرے گا اسے ضرر ہوگا) اہلیت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اہلیت وجوب یعنی حکم شرعی نافذ کئے جانے کی صلاحیت۔

(۲) اہلیت اداء یعنی حکم شرعی بجالانے کی صلاحیت۔

اہلیت وجوب

اہلیت وجوب کی بنیاد ”ذمہ صالحہ“ ہے کیونکہ یہی محل وجوب ہے۔ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اسی وقت اس کیلئے ذمہ صالحہ ثابت ہو جاتا ہے کیونکہ یہ وہ ذمہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کو عالم ارواح میں دیا تھا جس کو قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے ”واذا اخذ ربک من بنی آدم من ظهورہم ذریعتہم واشہدہم علی انفسہم الست بربکم قالوا بلی الخ“ (سورۃ الاعراف)

اس ذمہ میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ انسان پر احکام نافذ کئے جائیں جن پر اگر وہ عمل کرے گا تو اسے نفع ملے گا اور اگر چھوڑ دے گا تو ضرر پہنچے گا۔ اس پر فقہاء کرام علیہم الرضوان کا اجماع ہے۔

ذمہ:

اس کا لغوی معنی ”عہد“ ہے اور شرعی اصطلاحی معنی ہے

﴿عِبَارَةٌ عَنْ وَصْفٍ يَصِيرُ بِهِ الْإِنْسَانُ أَهْلًا لِّمَالِهِ وَعَلَيْهِ﴾

یعنی ذمہ شرع میں ایسا وصف ہے جس کے ذریعے انسان مالہ و ما علیہ کا اہل بنتا ہے۔

جنین کا حکم:

بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے وہ من وجہ ماں کا جزء ہوتا ہے کہ وہ حرکت

وسکون وغیرہ میں ماں کے تابع ہوتا ہے لہذا اس وقت اسکے لئے ذمہ کالمہ نہیں ہوتا ہے لیکن من وجہ اس کیلئے ذمہ ہوتا ہے کہ اسکی حیات ماں کی حیات سے علیحدہ ہے اور بطنِ مادر سے جدا ہونے والا ہوتا ہے لہذا اس کے حق میں وہ چیزیں ثابت ہوں گی جو اس کے لئے مفید ہیں جیسے ثبوت نسب، حریت، وراثت وصیت وغیرہ۔

بچے پر عبادات کی ادائیگی لازم نہیں:

نفس وجوب مقصود بالذات نہیں ہوتا ہے بلکہ وجوب سے مقصود اسکا ”حکم“ ہوتا ہے اور وہ ہے ”اداء بالاختیار“ جو کہ بچے میں نہیں ہوتی ہے کیونکہ وہ اختیارات سے عاجز ہوتا ہے۔ لہذا جب بچے میں حکم نہیں پایا جاتا ہے اور حکم کے ذریعے آزمائش میں مبتلا کئے جانے کی غرض نہیں ہوتی ہے کہ وہ ابھی کمزور ہوتا ہے تو اس پر وہ تمام امور معاف ہیں جن کو اداء کرنے کیلئے اختیار چاہئے ہوتا ہے۔ چنانچہ اس پر بالغین جیسے احکام کی ادائیگی لازم نہیں ہوگی (جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ)

جیسے (قاعدہ ہے کہ) محل نہ ہو تو حکم بھی نہیں پایا جاتا ہے۔

لہذا کافر پر عبادات میں سے کچھ بھی لازم نہیں ہے کیونکہ وہ اختیارات کا اہل نہیں ہوتا ہے البتہ ایمان لانا لازم ہے۔ کیونکہ وہ اس کی ادائیگی کا اہل ہوتا ہے اور اس کے حکم (نجاتِ ابدی) کا بھی اہل ہوتا ہے۔ اور بچہ جب عاقل نہ ہو تو اس پر ایمان لانا لازم نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس میں اہلیت اداء نہیں ہوتی ہے۔ اور جب عاقل ہو جائے اور ادائے ایمان کا احتمال پایا جائے تو اس پر اصل ایمان لازم ہے ادائے ایمان لازم نہیں ہے (کیونکہ اس میں اہلیت وجوب تو ہے لیکن اہلیت اداء اب بھی نہیں ہے) لہذا اگر وہ لائے تو اسکا ایمان معتبر ہوگا اور اس پر جو بعد بلوغ اسلام لانا فرض ہونا تھا وہ اداء ہو جائے گا لیکن وہ مکلف بالاسلام نہیں ہے۔ لہذا اگر وہ ایمان نہ لائے تو گنہگار بھی نہیں ہوگا۔ جیسے مسافر اگر جمعہ ادا کرے تو اس کا جمعہ ہو جائے گا اور بطور فرض کے ادا ہوگا اگرچہ قبل اداء اس پر جمعہ فرض نہیں تھا!

نوٹ:

بچے پر ”حقوق العباد کا ضمان“ جیسے فرض، تلف کردہ چیزوں کا ضمان ”عوض“ جیسے بیع کی قیمت وغیرہ زوجہ اور کفالت میں موجود درشتہ داروں کا ”نفقہ“ واجب ہوا ہے کیونکہ ان امور میں اداء بالا اختیار ضروری نہیں ہے۔

اہلیت اداء کا بیان

اہلیت اداء کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اہلیت کاملہ (۲) اہلیت قاصرہ

اہلیت کاملہ:

اہلیت کاملہ کا تعلق دو قدرتوں سے ہے ”قدرت فہم خطاب“ یہ عقل ہے اور قدرت عمل یہ ”بدن“ ہے جب دونوں قدرتیں پائی جائیں گی تو اہلیت کاملہ ہوگی۔
جیسے بندہ عاقل بھی ہو اور بالغ بھی ہو تو چونکہ اس میں عقل بھی ہے اور جسم بھی کامل ہے لہذا اس میں اہلیت کاملہ ہوگی۔

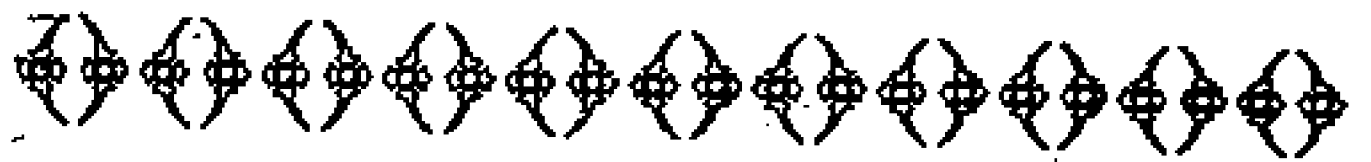
اہلیت قاصرہ:

اہلیت قاصرہ اداء سے متعلقہ دونوں قدرتوں میں سے ایک نہ پائی جائے یا کسی ایک میں ضعف پا جائے۔

جیسے انسان میں بلوغت سے قبل عقل و بدن دونوں ناقص ہوتے ہیں یا معتوہ (نیم پاگل) میں بدن تو کامل ہوتا ہے مگر عقل ناقص ہوتی ہے۔ جیسے بچے کی عقل غیر معتدل ہوتی ہے ایسے ہی معتوہ کی عقل بھی غیر معتدل ہوتی ہے۔
حکم:

اہلیت قاصرہ ”صحت“ کی بنیاد ہوتی ہے یعنی اہلیت قاصرہ پائی جائے تو بندے پر احکام کی ادائیگی تو لازم نہیں ہوتی ہے البتہ اگر وہ کوئی عمل کرے تو وہ درست ہوتا ہے۔ اسی طرح

اہلیت کاملہ وجوب اداء کی بنیاد ہوتی ہے بندہ احکام شرع کا مکلف ہو جاتا ہے۔ اور خطابات شرع اس کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔



اہلیت قاصرہ پر تفریعات

(۱) عاقل بچے کا ایمان لانا معتبر ہے۔

(۲) ہر وہ کام جس میں بچے کیلئے نفع محض ہو ان میں بچے کے تصرفات جائز ہیں۔ جیسے ہبہ اور صدقہ قبول کرنا۔

(۳) بچے کی عبادات بدنہ کی ادائیگی درست ہوگی اگرچہ وہ مکلف نہیں ہوتا کیونکہ اس میں بچے کا اپنا فائدہ ہے کہ ان کا عادی بن جائے گا۔

(۴) عاقل بچہ اگر ولی کی اجازت سے بیع 'اجارہ وغیرہ کرے جس میں نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہو تو یہ جائز ہے کیونکہ بچے کی رائے میں جو کمی تھی وہ ولی کی اجازت سے پوری ہوگئی ہے لہذا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کا تصرف بالغ کے تصرف کی طرح ہوگیا۔

یہی وجہ ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ

کے نزدیک (ایک روایت میں) بچہ اگر ولی کی اجازت سے اجنبیوں سے غبن فاحش کے ساتھ بیع کرے تو یہ جائز ہے جبکہ صاحبین علیہما الرحمہ کے نزدیک ناجائز ہے۔

اعتراض:

بچہ اگر ولی کی اجازت سے ولی سے غبن فاحش کے ساتھ بیع کرے تو یہ بھی جائز ہونی چاہئے "کیونکہ بچے کی رائے ولی کی اجازت سے کامل ہو جاتی ہے"۔

جواب:

بچہ من وجہ اصل ہوتا ہے کہ اصل فعل یعنی عقد وہی کرتا ہے اور من وجہ ولی کا نائب ہوتا ہے کہ عقد کا نفاذ ولی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ لہذا اگر بچہ ولی کی اجازت سے ولی ہی سے غبن فاحش کے ساتھ بیع کرے تو تہمت کی جگہ میں شبہ نیابت پایا جائے گا کہ بچہ ولی کے نائب کی حیثیت سے ولی سے عقد کر رہا ہے۔ گویا ولی غبن فاحش کے ساتھ بچے کا مال اپنے آپ کو فروخت کر رہا ہے۔

محجور کا حکم:

محجور (خواہ صبی ہو یا عبد مگر یہاں صبی مراد ہے) اگر صبی عاقل نے وکالت سے متعلقہ امور مثلاً بیع اور ثمن سپرد کرنے اور عیب کی صورت میں خصومت میں وکالت قبول کر لی تو بچے پر ان چیزوں کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ کیونکہ اس سے ضرر لازم آتا ہے۔ اور اس کی اہلیت قاصرہ ہے البتہ اگر ولی کی اجازت سے ایسا کرے تو وہ ذمہ دار ہوگا۔ کیونکہ اس کی رائے میں جو کمی تھی وہ ولی کی رائے سے پوری ہو گئی ہے۔

اسی طرح بچہ اگر اعمال صالحہ میں کوئی وصیت کرے (مثلاً کسی کو اپنے مال میں سے کچھ دینے کی وصیت کرے) تو ہمارے نزدیک اس کی وصیت باطل ہوگی۔ بخلاف امام شافعی علیہ الرحمہ کے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب:

امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک بچے کی وصیت صحیح ہے کیونکہ اس میں بچے کیلئے آخرت میں نفع ہے کہ اسے ثواب ملے گا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ ”بچہ نفع مند چیزوں کا مالک ہوتا ہے۔“

امام شافعی علیہ الرحمہ کی دلیل کا جواب:

وراثت نفع محض ہے (یعنی اس میں نفع ہی نفع ہے ضرر بالکل نہیں ہے) کیونکہ شرع نے وراثت کو مورث (میت) کیلئے نفع بخش بنایا ہے۔ جیسے نبی کریم ﷺ نے حضرت سعد

رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا ﴿لَا تَدْعُ وَرَثَتَكَ اغْنِيَاءُ خَيْرٌ مِنْ اتِّدْعُهُمْ
عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ﴾ یہ کہ تو اپنے ورثاء کو (دنیا میں) مالدار چھوڑے یہ اس سے زیادہ
بہتر ہے کہ تو انہیں محتاج چھوڑے (اور وہ) لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہے۔

یہاں تک کہ بچے کے حق میں بھی وراثت کو نفع بخش بنایا ہے۔ اگر یہ بچے کے حق میں
نفع بخش نہ ہوتی تو شرع اس کو بچے کیلئے کبھی بھی مشروع نہ کرتی۔ رہا وصیت کا معاملہ تو
وصیت آخرت میں نفع کا باعث ضرور ہے۔ مگر اس میں صدقے کی صورت میں مال کو زائل
کیا جاتا ہے تو اس حیثیت سے وصیت میں بچے کیلئے ضرور ہے۔

الحاصل وصیت نفع والی چیز ضرور ہے۔ مگر اس میں نفع محض نہیں ہے۔ جبکہ وراثت نفع
محض ہے لہذا وراثت سے وصیت کی طرف منتقل ہونا یقیناً افضلیت کو چھوڑنا ہے۔
اعتراض:

اگر وصیت میں ضرور ہے تو پھر یہ بالغ کیلئے بھی مشروع نہیں ہونی چاہئے تھی؟
جواب:

بالغ کے حق میں وصیت کو اسی طرح مشروع کیا ہے جیسے اس کیلئے طلاق، عتاق، ہبہ اور
قرض کو مشروع کیا گیا ہے۔ جبکہ یہ چیزیں بچے کیلئے مضر ہیں۔ لہذا شرع نے ان کو بچے کیلئے
مشروع نہیں کیا۔ یہاں تک کہ اسکا ولی سمیت کوئی بھی اسکی طرف سے ان چیزوں کا مالک
نہیں ہوتا ہے۔ البتہ قرض کا معاملہ علیحدہ ہے۔ قاضی اس میں تصرف کرنے کا مالک ہوتا ہے
کہ وہ بچے کا مال جس کو چاہے بطور قرض دے سکتا ہے۔ کیونکہ اس میں بچے کیلئے نفع ہے۔
قاضی کی سرپرستی کی وجہ سے اسکا مال ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔ جبکہ وہی مال اگر کسی
کے پاس بطور امانت رکھوایا جائے اور پھر امانت دار کے پاس وہ ہلاک ہو جائے تو امانت دار
پر اسکا ضمان نہیں ہوگا

اسی طرح اگر بچہ ایمان لانے کے بعد (معاذ اللہ) مرتد ہو گیا تو امام اعظم اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک اخروی احکام میں اس کے لئے کوئی معافی نہیں ہوگی عند اللہ اسکی گرفت ہوگی۔ دنیاوی احکام میں سے بھی کچھ احکام اس کے لئے ثابت ہوئے جیسے اسکی مسلم زوجہ اس سے بائند ہو جائے گی، اور وہ میراث سے محروم ہو جائے گا۔ البتہ اسے قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ اسکی طرف سے حرب (یعنی اسلام کے خلاف جنگ و جدال) نہیں پایا جاتا ہے اور وہ بچہ ہے اور بچے کے حق میں ضرر ممنوع ہے۔

نوٹ:

بچے کے حق میں ضرر معاف ہونے کے باوجود مسلم زوجہ کی علیحدگی، میراث سے محرومی جیسے دنیاوی احکام اس کے حق میں ارتداد کے ضمن میں ثابت ہوتے ہیں کیونکہ یہ احکام ارتداد کے لوازمات میں سے ہیں جب بھی ارتداد ثابت ہوگا یہ احکام بھی ارتداد کے ضمن میں ثابت ہوں گے۔ چنانچہ ان احکام کو قصد اثبات نہیں کیا جاتا ہے بلکہ ارتداد کے لوازم ہونے کی وجہ سے ضمناً ضروری طور پر ثابت ہوتے ہیں۔ لہذا ان لوازمات کے ضمناً ضروری طور پر ثابت ہونے کی وجہ سے ارتداد جیسے بڑے گناہ کو معاف نہیں کیا جائے گا۔ جیسے والدین (نعوذ باللہ) مرتد ہو کر دار حرب چلے جائیں تو بچے کو بھی ان کے تابع سمجھتے ہوئے مرتد کہا جاتا ہے اور اسکے حق میں ارتداد کے لوازمات بھی ثابت کئے جاتے ہیں۔ ان لوازمات کے ضرر کے پیش نظر اس سے ارتداد کو ممنوع نہیں قرار دیا جاتا۔

امام ابو یوسف اور امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب:

ارتداد کے احکام دنیا میں بچے کے حق میں ثابت نہیں ہوں گے (اسکی مکمل تفصیل

ہدایہ باب احکام المرتدین میں مطالعہ فرمائیں)

اہلیت پر عارض ہونے والے امور کا بیان

عارض کا لغوی معنی روکنا ہے۔ اہلیت کو لاحق ہونے والے امور کو عوارض اسلئے کہتے ہیں کہ یہ

بندے کے حق میں احکام کو ثابت ہونے سے روکتے ہیں۔

عوارض کی دو قسمیں ہیں:

(۱) سماوی۔

(۲) کسبی۔

سماوی:

وہ ماثبت من قبل صاحب الشرع بلا اختیار العبد فیہ

یعنی عارض سماوی وہ عارض ہے جو شارع کی جانب سے ثابت ہو اور اس میں بندے کا کوئی

اختیار نہ ہو۔

کسبی:

وہ ماثبت باختيار العبد فیہ

یعنی عارض کسبی وہ عارض ہے جو بندے کے اپنے اختیار سے ثابت ہو۔

عوارض سماویہ گیارہ ہیں

(۱) جنون (۲) صغر (۳) عتہ (۴) نسیان (۵) نوم (۶) اغماء (۷) رق (۸) مرض

(۹) حیض

(۱۰) نفاس (۱۱) موت

عوارض کسبیہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کسبی منہ۔

(۲) کسبی من غیرہ۔

کسبی منہ:

وہ عارض جو بندے کی اپنی ذات سے حاصل ہو۔

کسبی من غیرہ:

وہ عارض جو بندے کو اپنے غیر سے حاصل ہو۔

کسی منہ کی چھ قسمیں ہیں:

(۱) جھل (۲) سفاقت

(۳) سگر (۴) ٹھزل

(۵) سرف (۶) خطاء

کسی من غیرہ ایک ہی قسم ہے:

اکراہ۔

اکراہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اکراہ ملجی۔

(۲) اکراہ غیر ملجی۔

اکراہ ملجی:

بندے کو کسی کام کے کرنے پر اس طرح مجبور کرنا کہ وہ بندہ کام کرنے پر مجبور ہو

جائے۔

اکراہ غیر ملجی:

بندے کو کسی کام کے کرنے پر مجبور کیا جائے مگر بندہ وہ کام کرنے پر مجبور نہ ہو۔

عوارض سادہ کا تفصیلی بیان

جنون:

هو اختلال العقل بحيث يمنع جريان الافعال والاقول على نهج العقل

الانادرا (التعريفات)

یعنی عقل کا اس طرح سے خراب ہو جانا کہ بندے کے افعال و اقوال کو عقل کے تقاضے کے

مطابق صادر ہونے سے روک دے مگر شاذ و نادر حالت ایسی ہو جس میں یہ خرابی نہ ہو۔

جنون کی اقسام

جنون کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جنون ممتد۔

(۲) جنون غیر ممتد۔

پھر ان میں سے ہر ایک اصلی بھی ہو سکتا ہے کہ بندہ حالت جنون میں ہی بالغ ہوا ہو اور ہر ایک طاری بھی ہو سکتا کہ بعد بلوغت طاری ہوا ہو۔

احکام:

جنون کی وجہ سے اس کے اقوال میں رکاوٹ آ جاتی ہے لہذا اسکی طلاق، عتاق اور حبہ غیر معتبر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ چیزیں ولی کی اجازت سے بھی نافذ نہیں ہوں گی۔

مصنف علیہ الرحمہ نے اقوال کا کہہ کر افعال سے احتراز کیا ہے کیونکہ اس کا فعل معتبر ہوتا ہے۔ اسلئے کہ اقوال کا تعلق عقل سے ہوتا ہے اور مجنون عقل سے خالی ہوتا ہے لہذا عقل نہ ہونے کی وجہ سے اس کے اقوال بھی غیر معتبر ہو جاتے ہیں جبکہ افعال کا تعلق بدن سے ہوتا ہے اور یہ حسی طور پر پائے جاتے ہیں۔ لہذا اس کے فعل سے کسی انسان کا مال تلف ہو جائے تو اس سے ضمان لیا جائے گا۔

جنون ممتد سے وہ چیزیں ساقط ہو جاتی ہیں جو باعث ضرر ہوں اور بالغ شخص سے کسی عذر کی بناء پر ساقط ہونے کا احتمال رکھیں۔

جیسے، حدود، کفارات، قصاص وغیرہ اور عبادات جیسے نماز روزہ وغیرہ۔

مصنف علیہ الرحمہ نے ﴿مَا كَانَ ضَرَرًا يَحْتَمِلُ السَّقُوطُ﴾ کی قید لگا کر ان چیزوں سے احتراز کیا ہے جو حق غیر سے تعلق رکھنے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی ہیں۔ جیسے تلف کردہ اشیاء کا ضمان، نفقہ اقارب، اور دیت یہ چیزیں جنون کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی ہیں جیسے یہ بچے کے بچنے کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی ہیں۔

جنون ممتد سے بعض احکام کے ساقط ہونے کی وجہ:

جنون ممتد ہو تو اداء کو لازم قرار دینے سے حرج لازم آئے گا (کہ اتنی ساری عبادات کی قضاء انسان کو پریشانی میں ڈال دے گی) لہذا مجنون کے حق میں لزوم اداء باطل ہوگا اور اداء کے معدوم ہونے سے نفس وجوب بھی اسکے حق میں معدوم ہو جائے گا۔ لہذا اسکے حق میں نماز روزہ وغیرہ عبادات ساقط ہو جائیں گی۔ کیونکہ نفس وجوب سے مقصود اداء ہے۔ اور جب اداء ہی معدوم ہوگئی تو مجنون کے حق میں وجوب کا کوئی فائدہ نہیں رہا۔ اسلئے اسکے حق میں نفس وجوب کو بھی معدوم قرار دے دیا گیا۔

جنون کی حد امتداد

جنون کی حد امتداد روزے میں پورا ایک مہینہ ہے، نمازوں میں شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک ایک دن ایک رات سے زیادہ وقت گزر جائے۔ (مثلاً زوال سے قبل جنون طاری ہوا اور اسکے اگلے دن بعد زوال افاقہ ہوا تو اس پر نمازوں کی قضا نہیں ہوگی)

جبکہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک چھ نمازیں ہیں کہ جنون میں چھ نمازیں گزر جائیں تو ان کی قضا نہیں ہے۔ زکوٰۃ میں امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک پورا سال ہے اور امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک سال کا اکثر حصہ ہے۔ وہ مکلف کی آسانی کیلئے اکثر کو کل کے قائم مقام قرار دیتے ہیں۔ لہذا اگر گیارہ ماہ بعد جنون ختم ہو جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی جبکہ امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کے نزدیک واجب نہیں ہوگی کیونکہ سال کا اکثر حصہ گزر چکا ہے۔

جنون غیر ممتد کے احکام

جنون غیر ممتد اگر طاری یعنی عارضی ہو تو ہمارے ائمہ ثلاثہ علیہم الرحمہ کے نزدیک از روئے استحسان اسکی وجہ سے عبادات ساقط نہیں ہونگی کیونکہ یہ جنون نوم اور اغماء کی طرح ہے۔ جنون غیر ممتد اگر اصلی ہو تو اس کے احکام کے بارے میں اختلاف ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب:

جنون غیر ممتد اصلی کی وجہ سے عبادات ساقط ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ اگر ماہ رمضان ختم ہونے سے پہلے اسکو افاقہ ہو جائے یا ایک دن اور رات گزرنے سے پہلے افاقہ ہو جائے تو اس پر گزشتہ روزے اور نمازوں قضا لازم نہیں ہوگی۔ اسکا حکم بچے کے حکم جیسا ہے کہ بچہ جب بالغ ہوتا ہے اس وقت سے مکلف ہوتا ہے ایسے ہی اسکا جنون جب ختم ہوگا اس وقت سے مکلف ہوگا۔

امام محمد علیہ الرحمہ کا مذہب:

جنون غیر ممتد اصلی کی وجہ سے عبادات ساقط نہیں ہونگی لہذا اس پر فوت شدہ روزے اور نمازوں کی قضاء لازم ہوگی۔ کیونکہ یہ جنون عارضی کی طرح ہے۔

قاعدہ:

﴿مَا كَانَ حَسَنًا لَا يَحْتَمِلُ الْغَيْرَ أَوْ قَبِيحًا لَا يَحْتَمِلُ الْعُفُوفُ ثَابِتٌ فِي حَقِّهِ﴾
جو چیز حسن ہو قبح کا احتمال نہ رکھے (جیسے ایمان) یا جو چیز قبیح ہو معافی کا احتمال نہ رکھے
(جیسے کفر) مجنون کے حق میں ثابت ہوگی لہذا والدین کی پیروی میں اسکا ایمان بھی ثابت ہوگا اور ارتداد بھی ثابت ہوگا۔

وضاحت:

مجنون کا ایمان یا ارتداد قصد ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کیلئے اعتقاد چاہیے ہوتا ہے۔ جو کہ عقل کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ جبکہ والدین کی پیروی میں یہ دونوں پائے جاتے ہیں کیونکہ اتباع میں مجنون کا اعتقاد شرط نہیں ہوتا ہے۔ لہذا معاذ اللہ اگر والدین مرتد ہو جائیں تو مجنون کو مسلمان نہیں کہا جائے گا کیونکہ اصالت یہ ممکن نہیں ہے اس لئے کہ مجنون میں تصدیق متصور نہیں ہو سکتی۔ اور والدین کی پیروی میں بھی نہیں کیونکہ ان کی جس پیروی کی وجہ سے اس کے لئے اسلام کا حکم مانا تھا وہ ان کے ارتداد کے بعد ختم ہو چکی ہے۔ اب اگر اس

کے لئے ارتداد کا حکم ثابت نہ کیا جائے تو اس کے ارتداد کو قابل عفو ماننا لازم آئے گا جو کہ فاسد ہے۔

صغر کا بیان

صغر اول احوال میں یعنی عقل آنے سے پہلے جنون کی طرح ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ جنون کی طرح عدیم العقل اور عدیم التمیز ہوتا ہے۔ اور جب بچہ عقلمند ہو جائے تو اس میں اہلیت اداء کی ایک قسم (اہلیت قاصرہ) پائی جاتی ہے۔ اہلیت کاملہ اس میں نہیں پائی جاتی کیونکہ ابھی اس میں صغر کا عذر موجود ہوتا ہے۔ لہذا اس سے وہ تمام چیزیں ساقط ہوں گی جو بالغ آدمی سے ساقط ہونے کا احتمال رکھتی ہیں جیسے حدود، کفارات، قصاص، عبادات وغیرہ۔
ضابطہ کلیہ:

﴿يُوضَعُ عَنْهُ الْعَهْدَةُ وَيُصَحُّ مِنْهُ وَلَهُ مَالًا عَهْدَةً فِيهِ﴾

یعنی بچے پر سے وہ تمام تر ذمہ داریاں ساقط ہو جاتی ہیں جو سقوط کا احتمال رکھتی ہیں اور وہ یا اسکی جانب سے اسکا ولی جو بھی نفع والا کام کرے درست ہے۔
وجہ معافی:

صغر کو اللہ تعالیٰ نے اسباب رحمت میں سے بنایا ہے۔ لہذا تمام تراحم جو سقوط کا احتمال رکھتے ہیں صغر کو ان کے معاف ہونے کا سبب بنا دیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ بچہ اگر اپنے مورث کو قتل کر دے تو ہمارے نزدیک وہ میراث سے محروم نہیں ہوتا ہے۔

اعتراض:

صغر اگر موجب رحمت ہے تو بچے کو غلام ہو یا کافر ہونے کی صورت میں وراثت سے کیوں محروم کیا جاتا ہے؟ جبکہ صغر کا تقاضہ تو یہ ہے کہ بچے پر رحم کیا جائے اور وراثت ثابت کی جائے۔!

جواب:

غلام یا کافر بچے کو اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے وراثت سے محروم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ وراثت کا تقاضہ ہے کہ وارث وراثت کا مالک بنے۔ جبکہ غلام میں مالک بننے کی اہلیت نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح کافر کو مسلمان کی ولایت حاصل نہیں ہوتی ہے۔ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿وَلَنَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾ اور وراثت میں ولایت ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے قول کو بیان فرمایا ﴿فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا يَرْتَضِيَ الْبَخْسُ﴾ لہذا معلوم ہوا حق وراثت کا حاصل نہ ہونا سبب (یعنی ولایت) اور اہلیت (یعنی مالک بننے کی اہلیت) کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ہے اسکو غلامی یا کافر کی سزا نہ سمجھا جائے۔

عتہ کا بیان

عتہ:

هو الاختلال في العقل بحيث يختلط كلامه فيشبه مرة بكلام العقلاء
و مرة بكلام المجانين
یعنی عقل میں فتور پیدا ہو جانا اس حیثیت سے کہ بندہ ایسا بے ربط کلام کرنے لگے کہ کبھی اس
کا کلام عقلاء جیسا ہو تو کبھی پاگلوں جیسا ہو عتہ کہلاتا ہے۔
عتہ کا حکم:

المعتوه بعد البلوغ مثل الصباء مع العقل في كل الاحكام حتى انه لا
يمنع صحة القول و الفعل لكنه يمنع العهدة
یعنی معتوہ بالغ تمام احکام میں عاقل بچے کی طرح ہوتا ہے۔ عتہ اسکے اقوال و افعال
کی صحت میں مانع نہیں ہوتا ہے۔ البتہ ضرر رساں امور کے اسباب کے لئے مانع ہوتا ہے
۔ (جیسے طلاق، عتاق وغیرہ)

وضاحت:

☆ جیسے عقل کے نہ ہونے میں مجنون کا حال بچے کے اول احوال جیسا ہوتا ہے۔ اسی طرح
اصل عقل کے پائے جانے میں معتوہ کا حال بچے کے آخر احوال جیسا ہوتا ہے۔ البتہ معتوہ
کی عقل میں فطور ہوتا ہے

☆ معتوہ کے تمام اقوال و افعال درست ہوتے ہیں جیسے اسلام لانا، مال غیر کی بیع وغیرہ میں وکیل بننا، ہبہ قبول کرنا وغیرہ۔

☆ وہ چیزیں جو اس کے حق میں ضرر رساں ہوتی ہیں اور سقوط کا احتمال رکھتی ہیں اس سے ساقط ہو جائیں گی۔ وہ ان کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ جیسے بیع و شراء میں ثمن سپرد کرنے کی اور عیب کی صورت میں خصومت کی وکالت اگر معتوہ کو دی جائے تو وہ ان چیزوں کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ البتہ ولی کی اجازت شامل ہو جائے تو ذمہ دار ہوگا۔

☆ اپنی عورت کو طلاق اور غلام کو آزاد نہیں کر سکتا اگر چہ ولی کی اجازت سے ہو۔ کیونکہ اس میں معتوہ کیلئے سراسر ضرر ہے۔

اعتراض:

معتوہ جب ضرر رساں چیزوں کا ذمہ دار نہیں ہوتا ہے تو اس کے اور بچے کے حق میں متلفات (تلف کردہ چیزوں) کا ضمان بھی واجب نہیں ہونا چاہیے!

جواب:

متلفات کے ضمان کا تعلق اس ذمہ داری سے نہیں ہے جس کی بچے اور معتوہ سے نفی کی گئی ہے کیونکہ اس ذمہ داری سے مراد وہ چیز ہے جو عقود سے لازم آتی ہے اور معافی کا احتمال رکھتی ہے جبکہ متلفات کا ضمان عقود کے قبیل سے نہیں ہے۔ کیونکہ یہ عقد سے لازم نہیں آتا بلکہ بندے کے فعل سے لازم آتا ہے۔ اسی طرح متلفات کا ضمان معافی کا احتمال بھی نہیں رکھتا ہے کیونکہ شرع نے اسکو مستہلک (مال ہلاک کرنے والا) پر جبرانا فذ کیا ہے۔

اسلئے کہ یہ حقوق العباد میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اموال کو محفوظ بنایا ہے اور مستہلک کا صبی ہونا یا معتوہ ہونا محل معصوم کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس محل کیلئے عصمت ثابت ہے کہ بندہ اپنی ضروریات پوری کرنے کیلئے اس کا محتاج ہے مستہلک کے صبی ہونے یا معتوہ ہونے سے بندے کی حاجت زائل نہیں ہوتی ہے لہذا مستہلک پر ضمان واجب ہوگا۔

اسی طرح معتوہ سے خطابات شرعیہ ساقط ہو جاتے ہیں جیسے بچے سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ لہذا اس پر عبادات واجب نہیں ہوں گی اور اس کے حق میں عقوبات ثابت نہیں ہوں گے۔ جیسے حدود، کفارات، قصاص وغیرہ۔ اسی طرح معتوہ پر دوسرے کو حق ولایت حاصل ہوتا ہے مگر وہ خود کسی کا ولی نہیں بن سکتا کیونکہ اس کی عقل میں کمی ہوتی ہے۔

جنون و صغیر میں فرق:

جنون ایک ایسا عارض ہے جس کے زائل ہونے کا کوئی وقت معین نہیں ہے لہذا اگر مجنون کی زوجہ اسلام قبول کر لے تو اس کے والدین پر بلا تاخیر اسلام پیش کیا جائے گا (کسی وقت کا انتظار نہیں کیا جائے گا) اگر والدین میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر لے تو معتوہ اور اسکی زوجہ کا نکاح باقی رہے گا ورنہ تفریق کر دی جائے گی۔

جبکہ صغیر ایک ایسا عارض ہے جس کے زائل ہونے کا وقت معین ہے۔ لہذا اگر صغیر بے عقل کی زوجہ اسلام قبول کر لے تو اس کے عاقل ہونے تک تاخیر واجب ہے۔ اب اگر وہ عاقل ہونے کے بعد اسلام قبول کرنے سے انکار کر دے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

صبی عاقل اور معتوہ عاقل میں فرق:

صبی عاقل اور معتوہ عاقل میں فی الحال اسلام پیش کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے جیسے دیگر تمام احکام میں ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

نوٹ:

معتوہ کے ساتھ خلاف معمول ”العاقل“ کی صفت کا ذکر اسلئے کیا ہے کہ مجنون کو بھی مجازاً معتوہ کہہ دیا جاتا ہے۔ لہذا مجنون اور معتوہ میں فرق کرنے کیلئے اس صفت کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اس سے پہلے مجنون کا ذکر ہوا ہے۔ تو وہم ہو سکتا تھا کہ یہاں معتوہ سے مراد مجنون ہے۔

نسیان کا بیان

نسیان:

هو عدم ملاحظة الصورة الحاصلة عند العقل عما من شأنه الملاحظة في الجملة

یعنی ایسے شخص کی جانب سے عقل میں موجود صورت کا ملاحظہ نہ ہونا جس میں فی الجملہ صورت کو ملاحظہ کرنے کی صلاحیت ہو نسیان کہلاتا ہے۔
حکم:

نسیان نہ حقوق اللہ تعالیٰ کے نفس و جوب کے منافی ہوتا ہے نہ وجوب اداء کے کیونکہ ناسی میں قدرت فہم خطاب اور قدرت عمل دونوں ہوتی ہیں۔ اور پھر بھولنے سے کوئی عبادت چھوٹ جائے تو اسکی اداء یا قضاء میں حرج بھی نہیں ہوتا ہے۔ لہذا ناسی سے نماز، روزہ، وغیرہ عبادات ساقط نہیں ہونگی لیکن جس عبادت میں نسیان غالب ہو (یعنی نسیان اس میں اکثر واقع ہوتا ہو) تو وہ معاف ہے کیونکہ وہ صاحب حق یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاحق ہو تا ہے۔ جیسے روزہ میں بھول کر کھاپی لینا تو یہ بھولنا روزے میں اکثر ہوتا ہے کیونکہ انسان کی طبیعت کھانے پینے کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اسی طرح ذبح کے وقت تسمیہ بھول جانا یہ بھی اکثر ہوتا ہے کیونکہ اس وقت انسان پر ہیبت طاری ہوتی ہے۔ انسانی طبیعت اس سے دور بھاگتی ہے اور بشری حالت بدل جاتی ہے جس کی وجہ سے بندہ تسمیہ بھول جاتا ہے لہذا یہ ہمارے نزدیک معاف ہے۔ اسی طرح دو رکعت کے بعد قعدہ اولیٰ میں بھول سے سلام

پھیر دینا یہ بھی معاف ہے کیونکہ یہاں بھی مصلیٰ کے اس حالت میں کثرت سے سلام پھیرنے کی وجہ سے نسیان غالب ہے کہ وہ قعدہ اولیٰ کو قعدہ اخیرہ سمجھ بیٹھتا ہے۔ لہذا اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ البتہ اگر بھول کر کلام کر لے تو نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ نماز کی مخصوص حالت اسے یاد دلار ہی ہوتی ہے کہ وہ نماز میں ہے۔

حقوق العباد معاف نہیں:

نسیان کی وجہ سے حقوق العباد معاف نہیں ہوں گے لہذا اگر بھولے سے کسی کا مال تلف کر دے تو ضمان دینا ہوگا۔

نوم کا بیان

نوم:

هو فترة طبيعية يحدث في الانسان بلا اختيار منه ويمنع الحواس الظاهرة والباطنة عن العمل مع سلا متها واستعمال العقل مع قيامه
یعنی نیند وہ طبعی سستی ہے جو انسان میں بلا اختیار پیدا ہوتی ہے اور حواس ظاہرہ و باطنہ کو صحیح سالم ہونے کے باوجود کام سے روکتی دیتی ہے اور عقل کو موجود ہونے کے باوجود استعمال سے روک دیتی ہے۔

حکم:

نیند انسان کو اپنی قدرت اور اختیار استعمال کرنے سے عاجز کر دیتی ہے لہذا خطاب بالاداء اسکے بیدار ہونے تک مؤخر رہے گا۔ اور وجوب اداء اس سے ساقط نہیں ہوگا۔ کیونکہ بیدار ہونے کے بعد کسی حرج کے بغیر عبادات کی اداء یا قضاء کر سکتا ہے۔ اسی طرح نائم کے تمام تصرفات باطل ہوں گے لہذا اسکے طلاق، عتاق، اسلام اور ارتداد کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

اسی طرح نماز میں نائم کی قراءت، رکوع اور سجود کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ نیند میں

اسکا اختیار ہی نہیں ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی حالت نماز میں نیند میں کلام کرے تو اس کی نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ یہ کلام ایسے شخص سے صادر ہوا جسے تمیز اور اختیار نہیں تھا لہذا یہ حقیقت میں کلام ہی نہیں تھا۔ اسی طرح اگر کوئی حالت نماز میں نیند میں قہقہہ لگائے تو اسکی نماز فاسد ہوگی نہ وضو ٹوٹے گا۔ یہی صحیح مذہب ہے کیونکہ جیسے نائم کی قرأت قراءت نہیں ہوتی اور کلام کلام نہیں ہوتا ہے اسی طرح قہقہہ بھی قہقہہ نہیں ہوتا ہے۔

اغماء کا بیان

اغماء:

هو تعطيل القوى المدركة والمحركة حركة ارادية بسبب مرض يعرض الدماغ او القلب

یعنی انسان کی قوت مدرکہ و محرکہ کا معطل ہو جانا ایسے مرض کے سبب جو دماغ یا قلب کو لاحق ہوتا ہے اغماء کہلاتا ہے۔

حکم:

اغماء یعنی بے ہوشی ایک مرض ہے۔ جنون کی طرح زوال عقل نہیں ہے۔ یہ نیند کی طرح اختیار اور استعمال قدرت کو ختم کر دیتا ہے۔ لہذا اس حالت میں اسکے تمام تصرفات اور عبادات باطل ہوں گی۔

نیند اور بے ہوشی میں فرق:

بے ہوشی عارض ہونے میں اور اختیار و قدرت کو معطل کرنے میں نیند سے بھی زیادہ شدید ہوتی ہے کیونکہ نیند انسان کی طبیعت اصلیه ہے (اگرچہ یہ انسانی حقیقت پر ایک زائد چیز ہونے کی وجہ سے امر عارض ہو کہلاتی ہے) جبکہ بے ہوشی فی الواقع امر عارض ہوتی ہے مگر یہ عقل کے ہوتے ہوئے عقل کے استعمال کو معطل کر دیتی ہے۔ اسی طرح اس کا ازالہ کسی کیلئے ممکن نہیں ہوتا ہے جبکہ نیند کو کوئی بھی (کسی بھی طریقے سے) زائل کر سکتا ہے

۔ یہی وجہ ہے کہ بے ہوشی ہر حال میں حدث ہے بندہ چاہے قیام میں ہو، رکوع میں ہو، سجود میں ہو یا سرین کے بل بیٹھا ہوا ہو۔ جبکہ نیند کا معاملہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ نیند بذاتِ خود ”استرخاء مفصل“ کا موجب نہیں بنتی ہے سوائے اسکے کہ جب یہ غالب ہو جائے۔ اور یہ تمام احوال میں غالب نہیں ہوتی ہے جبکہ بے ہوشی تمام احوال میں غالب ہوتی ہے اور ”استرخاء مفصل“ کا موجب بنتی ہے۔

اسی طرح نماز میں اگر بے ہوشی کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے تو وہیں سے نماز کی بناء کرنا جائز نہیں ہے جبکہ نیند کی وجہ سے وضو ٹوٹ جائے تو بناء جائز ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں بناء کا جواز اس حدیث سے متعلق آیا ہے جو کہ غالب الوقوع ہو جبکہ اغناء غالب الوقوع حدث نہیں ہے۔

اغناء اگر ممتد ہو:

اغناء اگر ممتد ہو ایک دن اور ایک رات سے زیادہ تک تو اس پر نمازوں کی قضاء لازم نہیں ہوگی یہ شیخین علیہما الرحمہ کا مذہب ہے۔ اور اگر چھ نمازوں کے نکلنے تک ہو تو قضاء لازم نہیں ہوگی (اس سے کم میں قضاء ہوگی) یہ امام محمد علیہ الرحمہ کا مذہب ہے۔ یاد رہے یہ مسئلہ از روئے استحسان ہے۔ اور نماز کے ساتھ خاص ہے۔ اگر ماہِ رمضان پورا گزر جائے تو اس سے روزے ساقط نہیں ہوں گے ان کی قضاء ضروری ہوگی کیونکہ ایسا شاذ و نادر ہوتا ہے۔

رق کا بیان

رق:

اس کا لغوی معنی ہے ”الضعف“ یعنی کمزوری

اصطلاحی معنی:

عجز حکمی بمعنی ان الشارع لم يجعله مالکاً و اھلاً لما یملکھ البحر
یعنی رق عجز حکمی ہے اس معنی میں کہ شارع نے اسے اس چیز کا مالک اور اہل نہیں بنایا ہے

جس کا آزاد آدمی کو بنایا ہے۔

وضاحت:

رقیت یعنی غلامی میں انسان حسی طور پر عاجز نہیں ہوتا ہے بلکہ حکمی طور پر عاجز ہو جاتا ہے اور یہ کفر اصلی کی جزاء ہے (کفر اصلی سے مراد وہ کفر جو ثبوت رقیّت کی ابتداء میں ہوتا ہے) لہذا غلام وہ تصرفات نہیں کر سکتا ہے جو ایک آزاد شخص کر سکتا ہے۔ کیونکہ جب کفار نے اپنی عقلوں کو ضائع کر دیا کہ انہوں نے خالق حقیقی کی عبادت سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں چوپایوں جیسا برا کر ذلیل و رسوا کر دیا کہ بندوں کی ملکیت اور خدمت میں مبتلا کر دیا اور ان کا غلام بنا دیا۔ البتہ یہ حالت بقاء میں حکم شرع سے ثابت ہے اسکی نسبت کفر کی طرف نہیں کی جائے گی۔ اور اسکو کفر کی جزا نہیں کہا جائے گا یہی وجہ ہے کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو بھی رقیّت کا حکم باقی رہتا ہے۔ اور اسی حکم شرع کی وجہ سے بندہ ملکیت اور خدمت حاصل کرنے کا محل رہتا ہے (یعنی اسکا مالک بھی بنا جاسکتا ہے اور اس سے خدمت بھی لی جاسکتی ہے)

رق قابل تجزی وصف نہیں ہے:

رق قابل تجزی وصف نہیں ہے کیونکہ یہ کفر کا اثر اور قہر خداوندی کا نتیجہ ہے اور کفر و قہر قابل تجزی نہیں ہیں لہذا رق قابل تجزی نہیں ہے۔ لہذا بندے کو نصف غلام نہیں کہا جاسکتا۔ البتہ ملک جو غلام کو لازم ہوتی ہے وہ بالا جماع قابل تجزی ہے لہذا ایک غلام کے دو مالک ہو سکتے ہیں۔

یہی وجہ ہے امام محمد علیہ الرحمہ جامع الکبیر میں فرماتے ہیں:

مجهول النسب شخص اگر اقرار کرے کہ اسکا نصف فلاں کا غلام ہے تو اس کو گواہی سمیت تمام احکام میں مکمل غلام مانا جائے گا یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ آدھا غلام ہو اور اپنے جیسا

دوسرے کے ساتھ مل کر ایک آزاد شخص کی طرح ہو جائے جیسے گواہی میں دو آزاد عورتیں ایک آزاد مرد کے برابر ہوتی ہیں۔ یہی موقف شیخین علیہما الرحمہ کا بھی ہے کیونکہ انہوں نے اسکی مخالفت نہیں کی ہے۔

عق کا حکم:

عق جو کہ رق کی ضد ہے اس میں بھی تجزی نہیں ہوتی ہے۔ اس پر بھی ہمارے ائمہ کا اتفاق ہے۔

اعتاق کا حکم:

اعتاق قابل تجزی ہے یا نہیں اس بارے میں ہمارے ائمہ کا اختلاف ہے۔

صاحبین علیہما الرحمہ کا مذہب:

اعتاق قابل تجزی نہیں ہے کیونکہ عق اسکا لازم ہے اس لئے کہ یہ اسکا انفعال یعنی اثر ہے (جیسے اگر کوئی اپنے غلام سے کہے اعتق تو اس کا اثر یہ ہے کہ وہ آزاد ہو جاتا ہے) اور شے کا اثر اسکا لازم ہوتا ہے اور عق بالاتفاق قابل تجزی نہیں ہے لہذا اعتاق بھی قابل تجزی نہیں ہوگا۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب:

اعتاق کا اثر ازالہ ملک ہے نہ کہ عق کیونکہ یہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کا حق ہے جس میں بندے کو تصرف کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ بندے کا حق ازالہ ملک ہے اس میں وہ تصرف کر سکتا ہے۔ اور ملک قابل تجزی ہے کہ یہ محل سے مکمل طور پر ساقط ہو جائے تو نا قابل تجزی حکم یعنی عق پایا جاتا ہے لہذا اگر غلام کے بعض کو آزاد کیا جائے تو عق نہیں پایا جائے گا۔ کیونکہ ازالہ ملک مکمل طور پر نہیں ہوا ہے۔

چنانچہ اس صورت میں جب بعض ملک ساقط ہو جائے تو علت کا ایک جزء پایا جائے گا اور معلول، مکمل علت کے پائے جانے پر پایا جاتا ہے۔ لہذا عق جو کہ معلول ہے علت

کے مکمل طور پر پائے جانے تک موقوف رہے گا۔

جیسے ”غسل اعضاء وضو“ علت ہے ”اباحت صلوٰت“ کیلئے۔ اس میں اعضاء وضو کا دھونا متجزی اور اباحت صلوٰۃ جو کہ معلول ہے غیر متجزی ہے۔ کہ اگر کوئی فقط ہاتھ اور چہرہ دھوئے تو ان دو اعضاء سے حدث دور ہو جائے گا اور ان میں طہارت ثابت ہو جائے گی مگر اباحت نماز ثابت نہیں ہوگی کیونکہ یہ غیر متجزی ہے تمام اعضاء کے دھونے تک موقوف رہے گی۔

اسی طرح ”اعداد طلاق“ حرمت مغلطہ کیلئے علت ہے جو کہ متجزی ہے اور حرمت مغلطہ غیر متجزی ہے کہ عورت کو ایک یا دو طلاقیں دینے سے طلاق تو ثابت ہو جائے گی مگر حرمت مغلطہ ثابت نہیں ہوگی کیونکہ یہ غیر متجزی ہے جو تینوں طلاقوں کے پائے جانے تک موقوف رہے گی۔

غلام کسی مال کا مالک نہیں بن سکتا:

غلام کسی بھی مال کی مالکیت کے منافی ہوتی ہے کیونکہ اس میں مملوکیۃ پائی جاتی ہے۔ لہذا غلام کسی بھی مال کا مالک نہیں بن سکتا کیونکہ وہ خود مملوک ہوتا ہے اگرچہ مالک کی اجازت ہو یہاں تک کہ غلام اور مکاتب ”تسری“ کے بھی مالک نہیں بن سکتے (تسری کہتے ہیں اس لوٹڈی کے پاس رات گر زانا اور جماع کرنا جس کو وطی کیلئے رکھا گیا ہو) اسی طرح یہ فرض حج بھی اداء نہیں کر سکتے کیونکہ ان میں اصل قدرت نہیں ہوتی ہے۔ اصل قدرت منافع بدنہ میں سے ہے جن کا مالک مولیٰ ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ حج کریں تو وہ نقلی حج ہوگا اگرچہ مولیٰ کی اجازت سے ہو۔ البتہ وہ عبادات بدنہ جن کا استثناء ہے ان کو جس قدرت کے ذریعے اداء کیا جاتا ہے مولیٰ اس کا مالک نہیں ہوتا ہے غلام و مکاتب و عبادات کر سکتے ہیں جیسے نماز اور روزے۔

نوٹ:

غلام کے ساتھ مکاتب کا ذکر کیا مگر مدبر کا ذکر نہیں کیا تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم جب مکاتب کیلئے ثابت ہے تو اسکے غیر میں بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا کیونکہ مکاتب میں تو رقیبت بھی ناقص ہوتی ہے۔

رقیت ”غیر مال“ کی مالکیت کے منافی نہیں ہے:

رقیت مال کے غیر میں مالکیت کے منافی نہیں ہے یعنی غلام ”غیر مال“ (یعنی وہ چیزیں جو مال میں شمار نہیں ہوتیں) کا مالک بن سکتا ہے۔ جیسے نکاح، خون اور حیات کیونکہ ان چیزوں کے حکم میں غلام مملوک نہیں ہوتا ہے بلکہ اپنی حریت اصلہ پر باقی رہتا ہے۔

لہذا اسکا نکاح درست ہوگا کیونکہ قضائے شہوت فرض ہے چونکہ تسری کی طرف وہ جا نہیں سکتا ہے لہذا واحد راستہ نکاح ہی رہ جاتا ہے مگر یہ مولیٰ کی اجازت پر موقوف ہوگا تا کہ مولیٰ کو ضرر نہ پہنچے کیونکہ مہر غلام کے ذمے آئے گا جس کے لئے اس کو فروخت کرنا پڑے گا۔ (یوں مولیٰ کو نقصان پہنچے گا اسلئے اذن ضروری ہے) اسی طرح غلام اپنی بقاء کیلئے خون اور حیات کا محتاج ہے یہی وجہ ہے کہ مولیٰ ان دونوں چیزوں کو تلف نہیں کر سکتا۔ اسی طرح قصاص کا اقرار بھی درست ہوگا کیونکہ اس کا اقرار یہ ہوتا ہے کہ ”ولی قصاص“ کو میرا خون بہانے کا حق حاصل ہے۔ اس میں غلام آزاد کی طرح ہوتا ہے کیونکہ خون اور حیات میں وہ اپنی ”اصل حریت“ پر قائم رہتا ہے۔ جن کا وہ خود مالک ہوتا ہے نہ کہ مولیٰ۔

غلام دنیا میں حاصل کرامات بشریہ کا اہل نہیں ہوتا ہے:

رق دنیاوی عزت و کرامات کے منافی ہے جیسے ذمہ داری، ولایت اور حلت۔ چونکہ غلام کا ذمہ کمزور ہوتا ہے لہذا جب تک وہ آزاد یا مکاتب نہ بن جائے اس سے قرض کی واپسی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح رق کی وجہ سے ولایت بھی اسے حاصل نہیں ہوگی۔ کیونکہ ولی کو یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ دوسرے پر اپنا قول نافذ کرے خواہ اسکی رضا

شامل ہو یا نہ ہو اور یہ ایک اعزاز ہے جس کی غلام میں صلاحیت نہیں ہوتی ہے لہذا وہ کسی کا ولی نہیں بن سکتا۔ اسی طرح رق کی وجہ سے غلام کیلئے حلت بھی نصف ثابت ہوتی ہے لہذا غلام بیک وقت دو سے زائد نکاح نہیں کر سکتا۔ اسی طرح باندی کی حلت آزاد عورت کی حلت سے نصف ہوتی ہے اسلئے اس کے حق میں طلاق ایک اور نصف (یعنی دیڑھ) ہوگی لیکن چونکہ طلاق غیر متجزی ہے اسلئے اس نصف کو مکمل مانا جائے گا یوں اس کی حلت دو طلاق میں ختم ہو جائے گی۔ جیسے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ﴿طلاق الامۃ تطلیقتان وعدہا حیضتان﴾ (رواہ الترمذی) اسی طرح اسکی عدت بھی نصف (یعنی دو حیض) ہوگی اور اسکی باری بھی آزاد عورت کے مقابلے میں نصف ہوگی کیونکہ ان چیزوں میں ملک نکاح کی تعظیم ہوتی ہے جس کی باندی اہل نہیں ہوتی ہے۔ اسی طرح حد بھی نصف جاری ہوگی کیونکہ یہ نعمتیں ملنے کے باوجود خداوند قدوس کی نافرمانی کی وجہ جاری ہوتی ہے اور غلام کو حاصل شدہ نعمتیں آزاد کے مقابلے میں کم اور نامکمل ہوتی ہیں۔ اسی طرح اسکی جان کی قیمت آزاد کی جان کی قیمت سے کم ہوگی کہ اگر غلام کو خطا قتل کر دیا جائے تو قاتل کے عاقلہ پر اسکی قیمت اداء کرنی ہوتی ہے لیکن یہ قیمت دس ہزار درہم سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے اگرچہ اس کی قیمت بیس ہزار یا اس زائد کیوں نہ ہو بلکہ دس ہزار میں سے بھی کچھ کم کر دیا جائے گا تا کہ اس کی یہ قیمت آزاد کی دیت (جو کہ دس ہزار ہے) سے کم ہو کیونکہ آزاد کے مقابلے میں اس کا مرتبہ بھی تو کم ہے۔

نفس غلام کی قیمت کم ہونے کی وجہ:

ملکیت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ملکیت مال۔

(۲) ملکیت غیر مال۔

غلام کو ان دونوں قسموں میں سے ملکیت غیر مال حاصل ہوتی ہے۔ ملکیت مال حاصل نہیں

ہوتی ہے البتہ مال میں تصرف کرنے کا اختیار اور قبضہ کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ ملکیت مال حاصل ہونے

میں غلام میں نقص ہوتا ہے تو اس نقص کی وجہ سے آزاد آدمی کی دیت کے مقابلے میں اس کی قیمت میں نقص پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے عورت ملکیت غیر مال کی اہل (یعنی ذکورہ) نہ ہونے کی وجہ سے نصف دیت کی حقدار ہوتی ہے۔

نوٹ:

غلام کا مال میں تصرف کرنے کا اختیار اور اس پر قبضہ کرنے کی اہلیت ہمارے نزدیک ہے۔

عبد مازون کا حکم:

ہمارے نزدیک عبد مازون ”ذاتی طور پر اصلاً بلا نیابت“ مال میں تصرف کر سکتا ہے اور اس کے لئے تصرف کا حکم اصلی (یعنی اپنے مکاسب پر قبضہ) بھی ثابت ہوگا۔ کیونکہ انسان اپنی بقاء کے اسباب سے حصول نفع کا محتاج ہوتا ہے اور یہ مال پر قبضہ کئے بغیر ممکن نہیں ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

مولیٰ عبد مازون کا نائب ہوتا ہے:

عبد مازون ذاتی طور پر متصرف ہوتا ہے اور مولیٰ اس کا نائب ہوتا ہے لہذا مولیٰ کو نائب ہونے کی حیثیت سے ملکیت حاصل ہوتی ہے۔ ایسے ہی وہ حکم جو ملک مشروع ہوتا ہے اور تصرف سے وہی مقصود نہیں ہوتا ہے بلکہ مقصود تک پہنچنے کا وسیلہ بنتا ہے اس میں مولیٰ عبد مازون کا نائب ہوتا ہے۔ جیسے عبد مازون اگر غلام خریدے تو ملک رقبہ میں مولیٰ عبد کا نائب ہوگا کہ اس میں ملک رقبہ وہ حکم ہے جو کہ ملک مشروع ہے اور تصرف سے یہ خود مقصود نہیں ہوتی ہے بلکہ مقصود یعنی قبضہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہوتی ہے۔

عبد ماذون وکیل کی طرح ہوتا ہے:

چونکہ ملک عبد ماذون کے لئے ہوتی ہے اس لئے ہم نے مرض مولیٰ کے مسائل اور ماذون کے اکثر مسائل میں اس کو ملک کے حکم اور بقائے اذن کے حکم میں وکیل کی طرح بنا دیا ہے۔

نوٹ:

حکم ملک کا تعلق مسائل مرض مولیٰ سے ہے اور بقاء اذن کا تعلق اکثر مسائل ماذون سے ہے۔

قسم اول کی مثال:

مولیٰ نے غلام کو تجارت کی اجازت دی پھر وہ بیمار ہو گیا اور مر گیا تو وہ مولیٰ کی بیماری کے زمانے میں جو بھی چیز خریدے یا بیچے غبن فاحش کے ساتھ ہو یا غبن یسر کے ساتھ۔ مولیٰ پر اگر کوئی قرض ہو تو امام اعظم کے نزدیک وہ تجارت مطلقاً باطل ہوگی کیونکہ اس مال پر قرض خواہوں کا حق ہے اور اگر اس پر قرض نہ ہو تو تہاً مال تک اس کی تجارت درست ہوگی کیونکہ بقیہ مال پر ورثاء کا حق ہے اور عبد ماذون وکیل نے منز لے میں ہے اور ملک مولیٰ کے لئے ثابت ہوگی۔ گویا تجارت مولیٰ نے خود کی ہے جس کا اعتبار ثلث مال میں کیا جاتا ہے اس کے علاوہ ماذون کے تمام افعال کا حکم تبدیل ہو جائے گا جیسے موکل کے مرض کے زمانے میں وکیل کی جانب سے جو افعال انجام دئے جائیں ان کا حکم تبدیل ہو جاتا ہے۔

قسم ثانی کی مثال:

عبد ماذون نے اپنے عبد کو تجارت کی اجازت دی پھر عبد ماذون اول کو مولیٰ نے تجارت سے روک دیا تو عبد ماذون ثانی مجبور (یعنی تجارت سے روکا ہوا) نہیں ہوگا جیسے کسی نے کسی شخص کو وکیل بنایا اور اس سے کہا اعمل برائیک (یعنی تو اپنی مرضی سے جیسے چاہے کام کر

تو اس دکیل نے کسی اور کو دکیل بنایا پھر موکل نے وکیل اول کو معزول کر دیا تو اس سے دکیل ثانی معزول نہیں ہوتا ہے۔ البتہ اگر موٹی مر جائے تو دونوں مجبور ہو جائیں گے جیسے موکل مر جائے تو دونوں معزول ہو جاتے ہیں۔

رق عصمت دم کے منافی نہیں ہے:

رق عصمت دم میں اثر انداز نہیں ہوتا ہے البتہ اس کی قیمت میں اثر انداز ہوتا ہے کہ اگر اسے خطا قتل کر دیا جائے اور اس کی قیمت دیت کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو دیت سے دس درہم کم ادا کئے جائیں گے (یعنی ۹۹۹۰ درہم دیئے جائیں گے) کما مر! عصمت دم دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے:

عصمت دم ایمان اور دارالاسلام میں ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے۔ ان دو چیزوں کے ہونے میں غلام اور آزاد دونوں برابر ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بطور قصاص غلام کے بدلے آزاد کو بھی قتل کیا جاتا ہے۔ بخلاف امام شافعی علیہ الرحمہ کے کہ ان کے نزدیک ان دونوں میں عزت اور شرافت میں مساوات نہیں ہوتی ہے۔ جب کہ قصاص مساوات پر مبنی ہوتی ہے۔ اس پر ہمارا جواب یہ ہے کہ ان کے درمیان اصل یعنی عصمت دم میں مساوات ہے جبکہ عزت و شرافت انسان کے اضافی اوصاف ہیں ان کا قصاص سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے ورنہ عورت کے بدلے مرد کو قتل نہیں کرنا چاہیے کیونکہ ان کے درمیان بھی از روئے اوصاف مساوات نہیں ہوتی ہے۔

رق جہاد میں نقص ثابت کرتا ہے:

رقیت جہاد میں نقص ثابت کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ غلام پر جہاد فرض نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا تعلق منافع بدنہ سے ہے جن کا مالک اس کا موٹی ہے۔ اور جہاد، حج وغیرہ میں ان منافع سے متعلقہ قدرت کا استثنیٰ نہیں ہے۔ اور اگر مالک کی اجازت یا عدم اجازت سے شریک ہو بھی جائے تو بھی وہ مال غنیمت سے پورے حصے کا حقدار نہیں ہوتا ہے۔ امیر جہاد

اسے بطور حوصلہ آفرائی جو کچھ حصہ دے وہی اسے ملتا ہے۔ کیونکہ کامل حصہ از روزے کرامت ملتا ہے جو کہ غلام میں نہیں ہوتی ہے۔

رق ولایت کے منافی ہے:

چونکہ رقیۃ عجز حکمی ہے لہذا غلام کسی کا ولی نہیں بن سکتا۔ تمام تر ولایات اس سے منقطع ہیں۔ کیونکہ ولایت کا معنی ہے ﴿تَنْفِيزُ الْقَوْلِ عَلَى الْغَيْرِ شَاءَ أَوْ ابِی﴾ یعنی ”غیر پر اپنی مرضی کو نافذ کرنا خواہ وہ راضی ہو یا نہ ہو“ جبکہ غلامی عجز حکمی ہے جس کی وجہ سے بندہ اپنے تصرفات سے عاجز ہو جاتا ہے۔ تو جب اسے اپنے نفس کی ولایت حاصل نہیں ہے تو وہ دوسرے کا ولی کیونکر ہو سکتا ہے؟
اعتراض:

جب عبد سے ہر طرح کی ولایت ساقط ہے تو جہاد میں عبد ماذون کا دوسروں کو امان دینا کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ کیونکہ اس طرح سے وہ مجاہدین کے حقوق کو ساقط کر رہا ہوتا ہے جیسے کفار کو غلام بنانا اور ان کے اموال کو مال غنیمت کے طور پر حاصل کرنا۔
جواب:

عبد ماذون کا امان دینا درست ہے اور یہ امان دینا ولایت کے باب سے نہیں ہے کیونکہ وہ مولیٰ کی اجازت سے جہاد میں شریک ہو کر مال غنیمت یعنی ریح کا حقدار بنتا ہے تو جب ماذون کفار کو امان دیتا ہے تو سب سے پہلے مال غنیمت میں سے اپنے حق کو تلف کرتا ہے۔

پھر اس کی یہ امان دوسروں کی طرف متعدی ہوتی ہے جیسے وہ ہلال رمضان کی شہادت دے تو وہ مقبول ہوتی ہے۔ تو اس کی وجہ ولایت کے باب سے ہونا نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عبد نے روزہ پہلے اپنے اوپر لازم کیا ہے پھر اس کا حکم دوسروں کی طرف متعدی ہوا ہے۔

یہاں سے یہ قاعدہ معلوم ہوا ہے کہ ﴿مَا يُلْزَمُ الْعَبْدُ اَوْلَايَتُهُ اِلٰی غَيْرِهِ تَبَعًا﴾ یعنی

”غلام کو جو چیز ابتداء اپنے تصرف سے لازم آئے گی وہ ضمناً اس کے غیر کی طرف متعدی ہوگی“

اس اصول کے تحت ہم کہتے ہیں:

غلام ماذون ہو کر مجبور اگر حدود و قصاص اور سرقہ مسہلکہ (یعنی وہ چوری مجبونی میں حاصل مال ہلاک کر دیا ہو) کا اقرار کر لے تو اس کا یہ اقرار صحیح ہوگا کیونکہ اس سے جو ضرر لازم آئے گا وہ ابتداءً اس پر لازم آئے گا پھر ضمناً مولیٰ کی طرف متعدی ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ سرقہ قائمہ (یعنی وہ چوری جس میں حاصل مال ہلاک نہ کیا ہو) کا اقرار کرے تو یہ بھی درست ہوگا۔ البتہ یہ اقرار اگر عبد مجبور کرے اور مولیٰ اس کی تکذیب کرے تو اس بارے میں اختلاف ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب:

اس کا اقرار صحیح ہے لہذا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا اور مال مسروق واپس کیا جائے گا اس کی وجہ وہی اصول مذکور ہے۔

امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب:

ہاتھ کاٹا جائے گا مال واپس نہیں کیا جائے گا کہ وہ مولیٰ کا مال ہے کیونکہ اس نے یہاں دو چیزوں کا اقرار کیا ہے قطع ید کا اور مال مسروق منہ کا پہلی چیز کا تو اقرار صحیح ہے کیونکہ وہ اپنی ذات پر شے کو لازم کر رہا ہے۔ تاہم دوسری کا اقرار صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ اقرار غیر کے حق میں ہے۔ جو کہ درست نہیں ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اقرار کی وجہ سے انسان کی گرفت ہوتی ہے اس لئے وہ آزاد ہونے کے بعد مال مسروق کی مثل بطور ضمان ادا کرے گا۔

امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب:

اس کا اقرار صحیح نہیں ہے لہذا اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اور مال مولیٰ کا ہوگا کیونکہ مجبور کا اقرار کرنا کہ اس کے پاس مال مسروق ہے یہ مولیٰ کے مال پر اقرار ہے کیونکہ اس کے

پاس جو بھی ہوتا ہے وہ مولیٰ کا مال ہوتا ہے اور حق غیر میں اقرار درست نہیں ہوتا ہے۔ لہذا اس کا اقرار درست نہیں ہوگا۔

اور جب اس کا سرقہ سے متعلق اقرار درست نہیں ہے تو اس کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ ہاتھ تو چوری کی وجہ سے کاٹا جاتا ہے جو کہ اس کا اقرار درست نہ ہونے کی وجہ سے ثابت نہیں ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ اقرار پر گرفت ہوتی ہے اس لئے بعد عتق وہ اس کی مثل بطور ضمان ادا کرے گا۔

جنایت عبد کا حکم:

یہ پہلے گزر چکا ہے کہ رقیق مالکیت مال اور کمال کرامت کے منافی ہوتی ہے لہذا غلام خطا کسی کو قتل کر دے تو جنایت کی جزاء میں یہ خود ہوگا مقتول کے ورثہ اسی کو پکڑیں گے اور اپنا غلام بنالیں گے۔ (چونکہ یہی خود جزاء ہوتا ہے لہذا اگر غلام فوت ہو جائے تو مالک پر کچھ بھی واجب نہیں ہوگا) خود جزاء ہونے کی وجہ:

ایسی چیز جو مال نہ ہو (جیسے دم انسان) اسکو خطا تلف کرنے کی صورت میں دیا جانے والا ضمان ”صلہ“ یعنی احسان ہوتا ہے اور غلام صلہ دینے کا اہل نہیں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس پر محارم کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ لہذا غلام پر ضمان لازم نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اس کا کوئی عاقلہ بھی نہیں ہے جو اس کی طرف سے ضمان ادا کرے اسلئے غلام ہی بنفس نفیس جنانیت کی جزاء ہوگا تا کہ خون ناحق رائیگاں نہ جائے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب:

قتل خطا میں اصل ارش ہے کیونکہ یہ نص سے ثابت ہے۔ ضمان میں بنفس نفیس اس غلام کی ادائیگی کو ضرورت کی بناء پر لازم قرار دیا گیا ہے کیونکہ غلام اپنی غلامی کی وجہ سے صلہ دینے کا اہل نہیں ہوتا ہے۔ لہذا مولیٰ اگر غلام کی جگہ ارش دینے کو اختیار کر لے تو حکم اصل

(یعنی ارش) کی طرف لوٹ جائے گا یہاں تک کہ مولیٰ اگر مفلس ہو تو اس عارض (یعنی افلاس) کی وجہ سے جو زوال کا احتمال رکھتا ہے (یہ احتمال ہے کہ مفلسی کسی بھی وقت ختم ہو سکتی ہے) حکم دوبارہ غلام کی طرف نہیں لوٹے گا۔ لہذا ارش مولیٰ کے ذمہ مقتول کے ورثہ کا دین بن جائے گا اور غلام سے ان کا کوئی واسطہ نہیں رہے گا۔

صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب:

ارش مولیٰ پر بطور حوالہ لازم ہوگا گویا غلام نے ارش کو مولیٰ کی طرف پھیر دیا ہے لہذا مولیٰ اگر مفلس ہو جائے تو حکم غلام کی طرف لوٹ جائے گا جیسے تمام حوالات میں ہوتا ہے لہذا مقتول کے ورثہ غلام کو پکڑے لیں گے۔
ارش:

هو اسم للمال الواجب على ما دون النفس
یعنی جان سے کم کے تلف پر واجب ہونے والا مال ارش کہلاتا ہے۔
حوالہ:

الحوالة هي مشتقة من التحول بمعنى الانتقال و في الشرع نقل الدين و تحويله من ذمة المحيل الى ذمة المحال عليه
حوالہ (بتشدید الواو) یہ تحول سے مشتق ہے جس کا معنی انتقال ہے اور شرع میں دین کو محیل (منتقل کرنے والا) کے ذمہ سے محال علیہ (جس پر منتقل کیا جائے) کی طرف پھیر دینا حوالہ کہلاتا ہے۔

مرض کا بیان

مرض:

هو هيئة بدنية تضاد الصحة تكون الافعال بهالذاتها ماؤفة
یعنی مرض صحت کے منافی وہ جسمانی کیفیت ہے جس کی وجہ سے جسم کے افعال میں فساد پیدا

ہو جاتا ہے۔

احکام:

مرض چونکہ عقل و اختیار میں رکاوٹ نہیں بنتا ہے لہذا یہ اہلیت حکم کے منافی نہیں ہے لہذا مریض کے حق میں تمام احکام ثابت ہوں گے خواہ وہ حقوق العباد سے متعلق ہوں یا حقوق اللہ سے متعلق ہوں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ اسی طرح یہ اس کے اقوال کے درست ہونے کی اہلیت کے بھی منافی نہیں ہے لہذا اسکے طلاق، عتاق وغیرہ اقوال صحیح ہوں گے۔

مریض کل مال کی وصیت نہیں کر سکتا:

مریض کا قول معتبر ہونے باوجود وہ کل مال کی وصیت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ مرض موت کا سبب ہے اور موت خلافت کی علت ہے یعنی بندے کے مرتے ہی اس کے ورثاء اور قرض خواہ اس کے مال میں اسکے خلیفہ اور نائب بن کر مال کے حقدار بن جاتے ہیں لہذا مرض ان اسباب میں سے ہو گیا جن کی وجہ سے ورثاء اور قرض خواہ ہوں کے حقوق مریض کے مال سے متعلق ہو جاتے ہیں چونکہ مریض کے مال پر ورثاء اور قرض خواہ ہوں کا حق ہوتا ہے اسلئے اسکا کل مال میں وصیت کرنا ان کے حق میں تصرف کرنا ہے جو کہ باطل ہے اسلئے مریض کا قول کل مال کی وصیت میں غیر معتبر ہوگا۔ اور اگر یہ مرض موت تک پہنچا دے تو مرض کے آغاز سے ہی اس کے اقوال میں اتنی رکاوٹ پیدا ہو جائے گی جس سے ورثاء وغیرہ کے حقوق محفوظ رہیں۔

ایک قول یہ بھی ہے:

ایک قول یہ بھی ہے کہ مریض کو وہ تصرفات جو فسخ کا احتمال رکھیں ان میں مریض کے اقوال کوئی الحال صحیح قرار دیا جائے گا پھر ضرورت پڑنے پر انہیں فسخ کر دیا جائے گا۔ جیسے ہبہ وغیرہ۔ اور وہ تمام تصرفات جو فسخ کا احتمال نہ رکھیں اور دوسروں کے حقوق میں اثر انداز ہوں

وہ مریض کی موت پر معلق ہوں گے جیسے وہ کوئی غلام آزاد کر دے جو ملک مال سے زائد ہو یا قرض اسکو محیط ہو تو وہ مدبر غلام کے درجے میں ہوگا اور مریض کی موت کے بعد آزاد ہوگا لیکن وہ بقدر ضرورت اپنی کل قیمت یا دو ملک اداء کرے گا۔

راہن اگر غلام آزاد کر دے تو آزاد ہو جائے گا:

راہن اگر مرض الموت میں اپنا مرہون غلام آزاد کر دے تو وہ آزاد ہو جائے گا کیونکہ اس پر مرہن کا حق ملک قبضہ میں ہے نہ کہ ملک رقبہ میں۔

وضاحت:

قیاس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ مریض صلہ (جیسے ہبہ، صدقہ) اور اللہ تعالیٰ کے حقوق مالیہ کی ادائیگی جیسے زکوٰۃ، فطرہ، کفارات وغیرہ اور ان چیزوں کی وصیت کرنے کا مالک نہ ہو کیونکہ اسکے تصرف میں رکاوٹ کا سبب (یعنی مرض باعتبار تعلق حقوق غیر) یہاں بھی موجود ہوتا ہے۔ لیکن شرع نے اسے از روئے رحم اجازت دیدی۔ کیونکہ انسان کا حقہ اعمال کرنے سے قاصر ہوتا ہے تو وہ موت کے وقت اور بے سروسامانی کے وقت ایسی چیز کا محتاج ہوتا ہے جو اس قصور (کمی) کو پورا کر دے لہذا اللہ تعالیٰ نے اس کو مذکورہ چیزوں کے ذریعے یہ موقع عطا فرمایا ہے۔

اور جب شرع نے ورثاء کے حقوق کی حفاظت کیلئے تہائی سے زائد میں وصیت سے منع کر دیا اور ان کے حقوق کی خود شرع نے وصیت فرمادی اور بندوں کو ان کیلئے وصیت کرنے سے روک دیا تو اب ان کیلئے وصیت کرنا باطل ہے۔ نہ صورتاً نہ معنی نہ حقیقتاً نہ شبہاً۔

صورتا کی مثال:

مریض ترکہ میں سے کوئی چیز وارث کو مثلی قیمت کے عوض فروخت کر دے تو یہ ناجائز ہے بخلاف صاحبین علیہما الرحمہ کے جبکہ امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک مریض کی وارث کے ساتھ بیع مطلقاً ناجائز ہے خواہ مثلی قیمت کے ساتھ ہو یا غیر مثلی کے ساتھ۔ کیونکہ ورثاء کا حق جیسے

مورث کے مال پر ہوتا ہے اسی طرح اعیان پر بھی ہوتا ہے جبکہ صاحبین علیہا الرحمہ کی دلیل یہ ہے کہ مثلی قیمت کے ساتھ بیع کرنے سے ورثاء کا حق باطل نہیں ہوتا ہے۔

معنی کی مثال:

مریض کسی وارث کیلئے قرضے کا اقرار کرے کہ میرے اوپر اس کا قرض ہے تو یہ حرام ہے۔ کیونکہ اس میں شبہ ہے کہ مریض کا مقصد وارث کو بلا عوض مال فراہم کرنا ہے۔ کیونکہ شبہة الحرام حرام اگرچہ یہ اقرار استیفائے دین صحت کے بارے میں ہو یعنی صحت کے دنوں میں جو میرا قرض فلاں پر تھا وہ مجھے مل گیا ہے۔ البتہ ورثاء کو اس بات کا علم ہو یا گواہ موجود ہوں تو پھر درست ہے۔

حقیقت کی مثال:

کسی وارث کیلئے وصیت کرے کہ فلاں وارث کو اتنا مال دے دینا (اس کا حرام ہونا واضح ہے)۔

شبہتہ کی مثال:

اموال ربویہ میں سے عمدہ مال وارث کو ردی مال کے بدلے فروخت کر دے۔ تو یہ شہتاً وصیت ہے جو کہ ناجائز ہے۔ کیونکہ ورثاء کے حق میں عہدگی کا ایسا ہی لحاظ ہے جیسے نابالغ بچے کے حق میں ہوتا ہے کہ مولیٰ اپنے آپ کو بچے کا عمدہ مال اسی جنس کے کمتر مال سے فروخت نہیں کر سکتا ہے جیسے عمدہ گندم کے بدلے ردی گندم۔

حیض ونفاس کا بیان

یہ دونوں صورتا اور حکماً ایک جیسے ہیں اس لئے ان کو ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں اہلیت کے کسی بھی طرح سے منافی نہیں ہیں۔ البتہ ادائے صوم و صلوٰۃ کے جواز کے لئے ان دونوں سے پاک ہونا شرط ہے۔ چونکہ ان کے ہوتے ہوئے طہارت نہیں پائی جاتی ہے لہذا ادائے صوم و صلوٰۃ بھی نہیں پائی جائے گی کیونکہ ھذا فسات الشرط فسات

المشروط ﴿﴾ اب رہا انکی قضاء کا مسئلہ تو نمازوں کی قضاء لازم نہیں ہوگی کیونکہ نمازوں کے ”تکرار“ میں داخل ہونے کی وجہ سے ادائیگی میں حرج لازم آئے گا لہذا ان کی وجہ سے ان نمازوں کا نفس وجوب ہی ساقط ہو جائے گا البتہ روزوں کی قضاء لازم ہوگی کیونکہ ان کی ادائیگی میں حرج لازم نہیں آئے گا۔ لہذا روزوں کا نفس وجوب ساقط نہیں ہوگا۔

موت کا بیان

موت:

الموت هو صفة وجودية خلقت ضد اللحيوة

یعنی موت ایسی صفت وجودی ہے جو زندگی کی ضد کے طور پر پیدا کی گئی ہے۔

موت خالصتاً عجز ہے جس کی وجہ سے بندے میں قدرت و اختیار کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی ہے۔

میت سے متعلقہ احکام:

میت سے متعلقہ احکام ک ابتداءً دو قسمیں ہیں:

(۱) احکام دنیا

(۲) احکام آخرت

پھر احکام دنیا کی چار قسمیں ہیں:

(۱) وہ احکام جن کا تعلق باب تکلیف سے ہے۔

(۲) وہ احکام جو بندے پر غیر کی حاجت کیلئے مشروع کئے گئے ہیں۔

(۳) وہ احکام جو بندے کی اپنی حاجت کیلئے مشروع کئے گئے ہیں۔

(۴) وہ احکام جو بندے کی ضرورت پوری کرنے کی صلاحیت نہ رکھیں۔

نوٹ:

احکام دنیا کی دوسری قسم کی بھی متعدد اقسام ہیں جن میں سے یہاں مصنف علیہ الرحمہ

نے تین اقسام بیان کی ہیں۔

احکام دنیا کی تفصیل

قسم اول:

یعنی وہ احکام جن کا تعلق باب تکلیف سے ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ عجز کی وجہ سے یہ تمام احکام ساقط ہو جائیں گے کیونکہ بندے کے مکلف بننے سے مقصود اس کا اپنے اختیار سے احکام کو ادا کرنا ہے۔ اور موت کی وجہ سے بندے کو ایسا عجز لاحق ہوتا ہے جس سے بڑھ کر کوئی عجز نہیں ہو سکتا، اور جس کے ختم ہونے کی کوئی امید بھی نہیں ہوتی ہے۔ لہذا اس سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی اسی طرز عبادات کی تمام صورتیں ساقط ہو جائیں گی جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہ۔ البتہ ان عبادات کی ادائیگی میں حالت صحت میں کوتاہی برتنے کی وجہ سے اس کے ذمہ گناہ باقی رہ جائے گا۔

قسم ثانی:

یعنی وہ احکام جو میت پر غیر کی حاجت کیلئے مشروع کئے گئے ہیں یہاں مضاف علیہ الرحمہ نے اسکی تین اقسام بیان کی ہیں۔

(۱) ”حکم مشروع ایسا حق ہو جس کا تعلق عین سے ہو“ اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک عین باقی رہے گا تب تک وہ حق بھی باقی رہے گا۔ کیونکہ عین میں بندے کا فعل مقصود نہیں ہوتا ہے ایسے ہی حقوق العباد میں بھی فعل نہیں بلکہ مال مقصود ہوتا ہے۔ لہذا عین میں بندے کا حق موت کے بعد بھی باقی رہے گا اور صاحب حق سب سے پہلے اپنا وہ حق میت کے ترکہ میں داخل ہونے سے قبل حاصل کر لے گا۔ جیسے شی مرہون کہ اس کے ساتھ سے مرہون کا حق متعلق ہوتا ہے راہن کے مرنے سے یہ حق باطل نہیں ہوگا۔ اسی طرح امانت کہ اس سے مودع کا حق متعلق ہوتا ہے اور بیع کہ اس سے مشتری کا حق متعلق ہوتا ہے۔ وغیرہ

(۲) ”حکم مشروع دین ہو“ اس کا حکم یہ ہے کہ دین محض میت کے ذمہ کی وجہ سے باقی نہیں

رہیگا بلکہ اس کا مال ہو یا کوئی کفیل ہو تو پھر باقی رہیگا۔ ورنہ اس کی اولاد سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہاں تک کہ دنیاوی طور پر یہ حق ساقط ہو جائے گا۔ اور آخرت میں لیا جائے گا۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

اگر کسی شخص نے کوئی مال نہیں چھوڑا اور کفیل بھی نہیں چھوڑا اور مر گیا تو ایسے مفلس شخص کا کوئی کفیل نہیں بن سکتا۔ گویا احکام دنیا میں اس کا قرض ساقط ہو چکا ہے۔ کیونکہ کفالت کا مطلب ہے ایک ذمہ داری کو دوسری ذمہ داری کے ساتھ ملانا جبکہ میت کیلئے کوئی قابل اعتبار ذمہ باقی نہیں رہتا تو جب میت کیلئے کوئی قابل اعتبار ذمہ نہیں رہتا ہے تو کفیل کا ذمہ اس کے ساتھ کیسے ملایا جاسکتا ہے؟ البتہ اگر میت نے حالت حیات میں کوئی مال یا کفیل چھوڑا ہو تو اس صورت میں اس کا ذمہ کامل ہوتا ہے اور اس کے ساتھ کفیل کا ذمہ مل سکتا ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص کفالت کے بغیر محض صدقے کی نیت سے اس کا قرض اداء کر دے تو یہ بالاتفاق جائز ہے۔

صاحبین اور امام شافعی علیہم الرحمہ کا مذہب:

مفلس میت کی کفالت جائز ہے کیونکہ موت انسان کو قرض کی ادائیگی سے بری الذمہ نہیں کر دیتی ورنہ قرض خواہ کا متبرع (یعنی بطور صدقہ قرض اداء کرنے والے) کا مال لینا جائز نہ ہوتا۔ نہ آخرت میں مطالبہ درست ہوتا یہی امام مالک علیہ الرحمہ کا قول ہے۔
اعتراض:

میت اور عبد مجبور دونوں کا ذمہ یکساں کمزور اور ناقابل اعتبار ہوتا ہے اور جب غلام کی کفالت جائز ہے تو پھر میت کی کفالت کیوں ناجائز ہے؟
جواب:

عبد مجبور اگر قرضے کا اقرار کرے اور کوئی شخص اس کا کفیل بن جائے تو یہ جائز ہے۔ اگر

چہ آزاد ہونے سے پہلے اس سے مطالبہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ عبد مجبور کا ذمہ اس کے اپنے حق میں کامل ہے کیونکہ وہ زندہ عاقل، بالغ، اور مکلف ہے اور اس سے قرض کی ادائیگی کا مطالبہ ممکن ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ مولیٰ اس کے اقرار کی تصدیق کر دے یا آزاد کر دے جس کے بعد اس سے فی الحال مطالبہ جائز ہو جائے گا۔ تو جب اس سے مطالبہ جائز ہے تو اس کی کفالت بھی جائز ہوگی۔ کیونکہ کفالت کی بنیاد مطالبہ پر ہوتی ہے۔ تو جو کوئی اس کا کفیل بنے اس سے فی الحال قرض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے گا اگر چہ عبد مجبور سے مانع یعنی افلاس کے پائے جانے کی وجہ سے فی الحال مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔

اعتراض:

جب غلام کا ذمہ کامل ہوتا ہے تو پھر اس ذمہ کے ساتھ ”مالیت رقبہ“ کیوں ملائی جاتی ہے؟

جواب:

ذمہ کے ساتھ ”مالیت رقبہ“ مولیٰ کے حق میں ملائی جاتی ہے یعنی ”مالیت رقبہ“ غلام کے ذمہ کے ساتھ اس احتمال پر ملائی جاتی ہے کہ ذہن مولیٰ کے حق میں ظاہر ہو سکتا ہے کہ وہ عبد مجبور کی تصدیق کر دے۔ اور اس لئے بھی ملائی جاتی ہے کہ جب دین مولیٰ کے حق میں ظاہر ہو جائے تو اس کے لئے اس مال کے ذریعے جو اس کا اپنا حق ہے قرض کی ادائیگی ممکن ہو۔ لہذا یہ ملا نا اس لئے ہوتا ہے کہ عبد مجبور کا ذمہ کامل نہیں ہوتا ہے۔

(۳) ”حکم مشروع آدمی پر غیر کی حاجت کیلئے بطور صلہ ہو“ اس کا حکم یہ ہے کہ ”حکم مشروع“ اس کے مرنے کے بعد باطل ہو جائے گا جیسے نفقہ محارم، کفارات، صدقہ فطر وغیرہ۔ البتہ اگر اس نے وصیت کی ہو تو اس کے تہائی مال میں وصیت جاری ہوگی۔

قسم ثالث:

یعنی ”وہ احکام جو بندے کی اپنی حاجت کیلئے مشروع کئے گئے ہوں“ اس کا حکم یہ ہے

کہ جب تک حاجت باقی رہے گی وہ احکام بھی باقی رہیں گے جیسے موت بندے کی حاجت کے منافی نہیں ہے لہذا اتنے احکام اس کے حق میں باقی رہیں گے جن سے اس کی حاجت پوری کی جائے۔ اسی وجہ سے ترکہ میں سے اولاً اس کی تجہیز و تکفین کی جاتی ہے ثانیاً اس کے قرض اتارے جاتے ہیں ثالثاً اس کی وصیت پوری کی جاتی ہے پھر ورثاء کیلئے بطریق نیابت وراثت ثابت ہوتی ہے۔ یہ تمام چیزیں اس کے نفع کیلئے مشروع کی گئی ہیں۔ اول الذکر تینوں چیزوں میں تو نفع ظاہر ہے۔ البتہ ورثاء کو مال ملنے سے یہ نفع ہے کہ خاندان کی فراخی سے اس کی روح کو تسلی ملے گی اور آخرت میں ثواب ملے گا۔

اسی نفع کے پیش نظر مولیٰ کی موت کے بعد بھی مکاتب کی کتابت باقی رہتی ہے کہ وہ ورثاء کو بدل کتابت دیکر آزاد ہو جائے گا اور مولیٰ کو مکاتب کے آزاد ہونے اور اپنے ورثاء کو بدل کتابت پہنچانے کا ثواب ملے گا۔

اسی طرح اگر مکاتب مر جائے اور بدل کتابت کے برابر مال چھوڑ جائے تو کتابت باقی رہے گی تاکہ اس کے ورثاء مولیٰ کو بدل کتابت ادا کر دیں کیونکہ مکاتب اپنی موت کے بعد بھی اس بات کا محتاج ہے کہ وہ آزاد ہو جائے، کفر کا اثر ختم ہو جائے اور آزادی کے اثر پر باقی رہے یہاں تک کہ اگر اسکے ورثاء بدل کتابت فراہم کر دیں تو حکم لگایا جائے گا کہ مکاتب اپنی زندگی کے آخری حصے میں آزاد ہو چکا تھا۔

اسی طرح عورت عدت کے اندر اپنے شوہر کو مرنے کے بعد غسل دے سکتی ہے۔ کیونکہ شوہر اس کا مالک ہے اور یہ ملکیت عدت پوری ہونے تک ان تمام چیزوں کے حوالے سے رہے گی جن کی اسے ضرورت ہے اور جن چیزوں کی ضرورت نہیں ہے ان کے حوالے سے نہیں رہے گی۔ البتہ اگر عورت مر جائے تو شوہر اسے غسل نہیں دے سکتا کیونکہ عورت مملوک ہے اور مملوکیت کی اہلیت موت کی وجہ سے باطل ہو گئی ہے۔ کیونکہ مردہ مملوکیت کی وجہ سے مکے جانے والے تصرفات کا محل نہیں رہتا ہے اور جب مملوکیت ختم ہو گئی تو نکاح اپنے تمام تر

لوازمات کے ساتھ مرتفع ہو گیا۔ لہذا اس کو مس کرنا اس کی طرف نظر کرنا مرد کیلئے جائز نہیں رہا۔

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب:

شوہر اپنی مردہ عورت کو غسل دے سکتا ہے کیونکہ حدیث پاک میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿لَوْ مِتَّ قَبْلِي لَغَسَلْتُكَ﴾ (یعنی اگر تو مجھ سے پہلے انتقال کر گئی تو میں تجھے ضرور غسل دوں گا) اس کی تائید یہ روایت بھی کرتی ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ﴿غَسَلْتُ اَنَا وَ عَلِيٌّ فَاطِمَةَ بِنْتَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ﴾ اسی طرح یہ حدیث بھی ہے کہ ﴿اَنْ فَا طِمَةَ اَوْ صَت اَنْ يَغْسِلَهَا عَلِيٌّ﴾

احناف کا جواب:

نبی کریم ﷺ اور حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے غسل دینے سے مراد غسل کا انتظام کرنا ہے۔

قسم رابع:

”وہ احکام جو بندے کی ضرورت پوری کرنے کی صلاحیت نہ رکھیں“ اس کا حکم یہ ہے کہ یہ احکام ورثاء کیلئے ثابت ہوں گے۔ جیسے قصاص کہ یہ ابتداء ورثاء کیلئے ثابت ہوتا ہے اور میت کی ضرورت پوری کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔ اور اگر مال میں تبدیل ہو جائے تو وہ ابتداء میت کیلئے ثابت ہوتا ہے۔

وضاحت:

قاعدہ مذکور ہوا ہے کہ ”جو چیز بندے کی ضرورت پوری کرنے کیلئے مشروع کی گئی ہے وہ اسکی موت کے بعد بھی بمقدار ضرورت باقی رہتی ہے“۔ لہذا اگر قصاص دیت میں تبدیل ہو جائے تو ابتداء اس پر مقتول کا حق ثابت ہوگا اور اس سے اسکی حاجتیں پوری کی جائیں گی پھر ورثاء اس کو بطور نیابت لیں گے۔ اگر چہ اصل یعنی قصاص ابتداء ورثاء کیلئے ثابت ہوتا ہے

اس سبب کی وجہ سے جو مورث کے حق میں پایا گیا (یعنی قتل)

نوٹ:

قتل کے متعلق یہ جو کہا گیا کہ یہ مورث کے حق میں پایا جاتا ہے وہ اس لئے ہے کہ زند
گی اسکی تلف ہوئی ہوتی ہے اور وہ اپنی زندگی سے ورثاء کے مقابلے میں زیادہ نفع اٹھانے والا
تھا۔ لہذا جنایت من وجہ اس کے حق میں واقع ہوئی ہے یہی وجہ ہے کہ مجروح (یعنی زخمی)
اپنی موت سے قبل قاتل کو معاف کر سکتا ہے۔ اور چونکہ قصاص باعتبار نفس وجوب کے ورثاء
کیلئے ثابت ہوتا ہے اسلئے ورثاء بھی مجروح کی موت سے قبل قاتل کو معاف کر سکتے ہیں۔

سوال:

قصاص ورثاء کیلئے ابتداء کیسے ثابت ہوتا ہے؟

جواب:

قصاص میت کی حیات ختم ہونے پر ثابت ہوتا ہے اور اس وقت چونکہ اس میں مالک
بننے کی اہلیت نہیں رہتی ہے تو اس کیلئے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا ہے البتہ وہ چیز جس کا میت محتا
ج ہو اس کی حاجت کے پیش نظر ثابت ہوتی ہے اور قصاص بھی ایک ایسا حکم ہے جو اسکی
حاجت پوری کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے لہذا اولاً یہ ورثاء کیلئے ہی ثابت ہوتا ہے تاکہ
ان کا جذبہ انتقام ٹھنڈا ہوا اور ان کے دلوں کو سکون پہنچے۔

اعتراض:

جب قصاص ابتداء ورثاء کیلئے ثابت ہوتا ہے تو قصاص کی جگہ جب دیت حاصل ہو تو
اس کو بھی ابتداء ورثاء کیلئے ثابت ہونا چاہیئے کیونکہ اصل اور خلف کے احکام تو ایک جیسے ہو
تے ہیں۔

جواب:

جب حالات مختلف ہو جائیں تو اصل و خلف کے احکام بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ اور

یہاں بھی اصل و خف کے حالات مختلف ہیں کیونکہ اصل یعنی قصاص میت کی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے بخلاف دیت کے کہ یہ میت کی ضرورت پوری کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے اسلئے یہ ابتداء میت کیلئے ثابت ہوتی ہے پھر نیابتاً و رثاء کیلئے ثابت ہوتی ہے جیسے وضو اور تحمیل اصل و خف ہونے کے باوجود احکام کے میں مختلف ہیں کہ وضو میں نیت شرط نہیں ہے جبکہ تحمیل میں شرط ہے کیونکہ ان کے حالات مختلف ہیں کہ پانی ذاتی طور پر مطہر ہے اور مٹی مٹی (یعنی آلودہ کرنے والی) ہے۔

احکام آخرت

مردہ احکام آخرت میں زندوں جیسے احکام رکھتا ہے جیسے ”رحم و مہد“ دنیاوی منازل میں سے پہلی منزلیں ہیں اسی طرح ”قبر“ اخروی منازل میں سے پہلی منزل ہے اور جیسے رحم میں ”نطفہ“ دنیاوی زندگی کیلئے رکھا جاتا ہے اور اس کو عام انسان جیسے احکام دے دئے جاتے ہیں۔ جیسے وراثت و وصیت کے احکام۔ اسی طرح مردے کو قبر میں اخروی زندگی کیلئے رکھا جاتا ہے تاکہ اسے آخرت کے احکام دئے جائیں۔ تو جیسے انسان دنیا میں ایمان کے واسطے سے اطاعت کی وجہ سے کرامات و ثواب کا مستحق ہوتا ہے اور معصیت و تقصیر کی وجہ سے ملا مت کا مستحق ہوتا ہے۔ تو وہ اسی طرح آخرت میں بھی ان چیزوں کا مستحق ہوتا ہے۔ لہذا انکی قبر یا تو باغ جہنم میں سے ایک باغ ہوگی یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہوگی اللہ تعالیٰ سے ہمیں امید قوی ہے کہ وہ ہماری قبر کو اپنے فضل و کرم سے جنت کا باغ بنائے گا۔

عوارض مکتبہ کا تفصیلی بیان

جمل کلبیان

بجمل

هو علم العلم من خانه العلم

یعنی بندے کا ایسی چیز سے ناواقف ہونا جس کو جاننے کی اس میں صلاحیت ہو جہل کہلاتا ہے

جہل کی اقسام

جہل کی چار قسمیں ہیں:

(۱) جہل باطل بلا شبہ

(۲) جہل ہودون جہل الباطل بلا شبہ

(۳) جہل یصلح شبہ

(۴) جہل یصلح عذرا

جہل باطل بلا شبہ:

یہ کفر کو کہتے ہیں یہ آخرت میں عذر بننے کی کوئی صلاحیت نہیں رکھتا ہے کیونکہ بندہ دلائل کا علم ہونے کے باوجود اور دلائل کے خوب واضح ہونے کے باوجود دین کا انکار کرتا ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کے صفات کمالیہ کے ساتھ متصف ہونے پر ایسے واضح دلائل موجود ہیں جن کو کم عقل شخص بھی سمجھ سکتا ہے۔ وسیع و عریض اور بلند و بالا بارہ برجوں پر مشتمل بلاستون آسمان اور کشادہ زمین یقیناً ”صانع و لطیف و خیر“ کی ذات پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے واضح کثیر معجزات ”رسالت“ کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔ اس کے باوجود وحدانیت و رسالت کا انکار کفر نہیں تو کیا ہے؟

نوٹ:

یہ جہل احکام دنیا میں عذر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

جہل ہودون جہل الباطل بلا شبہ:

یعنی وہ جہل جو جہل کی قسم اول سے کم درجے کا ہے۔

تاہم یہ جہل بھی آخرت میں عذر بننے کی بالکل بھی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور احکام آخرت کے بارے میں "اہل ہوی" کا جہل ہے۔ جیسے معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے بغیر علم کے اور قادر ہے بغیر قدرت کے۔ اسی طرح سوالات منکر نکیر، عذاب قبر اور میزان کے منکر ہیں۔ اسی طرح فرقہ "مشیمہ" اللہ تعالیٰ کی صفات کو حادث قا بل زوال مانتا ہے۔ حالانکہ ان تمام چیزوں پر دلائل موجود ہیں۔ کثیر آیات و احادیث مبا رکہ اس پر شاہد عدل ہیں جیسے "ان اللہ بکل شیء علیم، ان اللہ علی کل شیء قدیر، لیس کمثلہ شیء" وغیرہ

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسی طرح باغی کا جہل ہے کہ وہ ناقابل تردید ادلہ واضحہ کو ترک کر کے ادلہ مہملہ فاسدہ سے استدلال کرتے ہوئے امام برحق کی اطاعت کو چھوڑ دیتا ہے۔ لیکن یہ لوگ چونکہ اپنی تاویلات کا قرآن مجید سے استدلال کرتے ہیں اس لئے ان کا جہل پہلے والے جہل سے کم ہوتا ہے تاہم ان میں سے کوئی یا تو مسلمان ہوتا ہے یا اپنی نسبت اسلام کی طرف کرتا ہے اس لئے ہم پر لازم ہے کہ مناظرے کے ذریعے ان کی تاویلات فاسدہ کا ابطال کریں۔ لہذا ہم ان کی تاویلات فاسدہ پر عمل نہیں کریں گے۔ چنانچہ باغی اگر کسی عادل شخص کو قتل کر دے یا اس کا مال ہلاک کر دے تو اس سے ضمان لیا جائے گا بشرطیکہ اس کے ساتھ لشکر نہ ہو اور اگر لشکر ہو تو ضمان نہیں لیا جائے گا تا کہ فساد نہ ہو۔ اسی طرح اگر وہ توبہ کر کے امام کا وفادار بن جائے تو بھی اس سے ضمان نہیں لیا جائے گا جیسے اہل حرب اگر اسلام قبول کر لیں تو ان کے پچھلے سارے جرائم اور گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور گزشتہ کسی بھی معاملے کا ضمان نہیں لیا جاتا ہے۔ اسی طرح باغی پر اسلام کے تمام احکام نافذ ہوں گے کیونکہ وہ اپنے آپ کو مسلمان ہی کہلاتا ہے۔ اور اگر اس کے ساتھ لشکر نہ ہو تو اس پر ولایت الزام باقی رہتی ہے یعنی دلیل کے ذریعے اس پر حق کو لازم کرنے کی ولایت باقی رہتی ہے۔

اسی میں سے ان مجتہدین کی لاعلمی بھی ہے جو کتاب یا سنت مشہورہ کے خلاف اجتہاد کرتے ہیں یا کتاب و سنت مشہورہ کے برخلاف سنت غریب پر عمل کرتے ہیں۔ ان کا یہ عذر ناقابل قبول ہے اور اس قسم کا اجتہاد ناقابل عمل اور باطل ہے۔ جیسے داؤد اصفہانی اور ان کے تبعین کا ام ولد کی بیع کے جواز کا فتویٰ دینا۔ یہ سنت مشہورہ کے خلاف ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے ﴿اذ ولدت امة الرجل منه فهي معتقه عن دبر منه او بعده رواه الدارمی وعن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال ایما ولیدة ولدت من سیدها فانه لا یبیعها ولا یهبها ولا یورثها و هو یستمتع منها فاذا مات فهي حرة رواه مالک فی موطاء﴾

اسی طرح امام شافعی علیہ الرحمہ کا ناسی پر قیاس کرتے ہوئے فتویٰ دینا کہ اگر کوئی ذبح کے وقت عمداً تسمیہ چھوڑ دے تو بھی وہ ذبیحہ حلال ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث پاک ہے ﴿تسمیة اللہ فی قلب کل امرء مومن﴾ ان کا یہ استدلال اور فتویٰ کتاب اللہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿ولا تا کلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ﴾ اسی طرح ان کا ”قسامت“ کی صورت میں قصاص کا فتویٰ دینا۔ یعنی کسی محلہ میں کوئی مقتول شخص ملے اور قاتل معلوم نہ ہو تو اس محلہ کے پچاس افراد حلف اٹھا کر بولیں گے کہ اس کو نہ تو انہوں نے قتل کیا ہے نہ قاتل کا انہیں علم ہے اگر وہ حلف اٹھالیں تو ان پر صرف دیت ہوگی یہ ہمارے نزدیک ہے اور امام شافعی علیہ الرحمہ کے نزدیک مقتول کے اولیاء پچاس مرتبہ قسم اٹھائیں گے اور مدعی علیہ پر دیت واجب ہونے کا فیصلہ دیا جائے گا۔ یہ ان کا جدید موقف ہے اور قدیم موقف یہ تھا کہ اگر اولیائے مقتول اس بات کی قسم اٹھائیں کہ مدعی علیہ نے عمداً قتل کیا ہے تو ان کیلئے قصاص ثابت ہو جائے گا اور اگر اولیاء یمین سے پیچھے ہٹ جائیں تو اہل محلہ قسم اٹھائیں گے اور انہیں قتل سے بری الذمہ قرار دے دیا جائے گا اور اگر وہ بھی پیچھے ہٹ جائیں تو ان پر دیت واجب کی جائے گی۔ ان کا یہ فتویٰ سنت مشہورہ کے برخلاف

ہے۔ اسی طرح ان کا یہ فتویٰ دینا کہ مدعی اگر ایک گواہ پیش کرے اور دوسرا گواہ نہ ہو تو اس کی جگہ قسم اٹھالے تو اس پر فیصلہ دینا جائز ہے۔ ان کی دلیل مسلم شریف کی وہ حدیث ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے اس طرح کا فیصلہ دیا ہے مگر یہ کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کے خلاف ہے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ﴾ اور حدیث مشہورہ ہے ﴿وَالْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدْعَى وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ وَاهِ الْبَيِّنَةُ بِسند صحيح﴾

جہل یصلح شبهة:

یعنی وہ جہل جس میں ایسا شبہ پایا جائے جو حدود و کفارات و دیگر عقوبات کو ساقط کرنے کی صلاحیت رکھے اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اجتہاد صحیح کے مقام پر جہل۔

(۲) مقام شبہ پر جہل۔

قسم اول:

یعنی جہل ایسی جگہ پایا جائے جو مجتہدین کے اجتہاد کا محل ہو اور اس پر کوئی نص بھی وارد نہ ہوئی ہو اور وہ اجتہاد قرآن و سنت کے خلاف بھی نہ ہو۔ یہ جہل عذر مقبول ہے۔

قسم دوم:

جہل ایسی جگہ پایا جائے جہاں کوئی اجتہاد موجود نہ ہو لیکن وہ محل موضع اشتباہ ہو۔ نوٹ: یہاں شبہ کی نسبت دلیل کی طرف ہوتی ہے اور اشتباہ کی نسبت ظن کی طرف ہوتی ہے۔

قسم اول کی مثال:

مختم (خون نکلوانے والا) حجامت کے بعد یہ سمجھ کر کہ اس کا روزہ ٹوٹ گیا ہے افطار کر لے اور اسکے پیش نظر یہ حدیث پاک ہو ﴿افطر الحاجم والمحبجوم رواہ الترمذی﴾

مذی ﴿تو اس پر قضاء ہوگی کفارہ نہیں کیونکہ یہ جھل موضع اجتہاد میں ہے۔ یہی امام اوزاعی علیہ الرحمہ کا مذہب ہے ہماری دلیل بخاری شریف وغیرہ کی حدیث ہے کہ ﴿إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ يَحْتَجُّمُ وَهُوَ مُحْرَمٌ وَيَحْتَجُّمُ وَهُوَ صَائِمٌ﴾
قسم دوم کی مثال:

بیٹا اپنے والد کی لونڈی کے ساتھ اس گمان پر زنا کر لے کہ وہ اس پر بھی حلال ہے تو اس پر حد نافذ نہیں ہوگی کیونکہ ملکیتیں عموماً باپ اور بیٹوں میں مشترک ہوتی ہیں۔ اس طرح سے اشتباہ پایا گیا اور اشتباہ سے حدود و کفارات ساقط ہو جاتے ہیں۔

جھل یصلح عذرا:

یعنی وہ جھل جو عذر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

جیسے اس شخص کا جھل جو دار الحرب میں مسلمان ہوا ہو اور وہاں سے ہماری طرف ہجرت نہ کی ہو اور اسے وہاں احکام شرعیہ سے متعلق کوئی علم حاصل نہ ہوا ہو نہ اسکو کسی نے تبلیغ کی ہو تو اسکا یہ جھل احکام شرائع جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ میں قابل قبول عذر ہوگا اگرچہ ایک مدت تک وہاں رہا ہو کیونکہ اس نے اپنی طرف سے کوئی کوتاہی نہیں کی ہے اس لئے کہ اس پر دلیل ہی ظاہر نہیں ہوئی ہے۔

اسی طرح وکیل کو وکالت سونپے جانے یا اس سے معزول کئے جانے کا علم نہ ہو یا عبد کو ماذون کئے جانے یا مجبور کئے جانے کا علم نہ ہو تو یہ جھل عذر مقبول ہے۔ لہذا وکیل نے وکالت سونپے جانے کی اطلاع سے قبل یا عبد نے ماذون کئے جانے کی اطلاع سے قبل کوئی تصرف کیا تو وہ موکل یا مولیٰ پر نافذ نہیں ہوگا۔ ایسے ہی وکیل نے معزول کئے جانے کی اطلاع سے قبل اور عبد ماذون نے مجبور کئے جانے کی اطلاع سے قبل کوئی تصرف کیا تو وہ موکل یا مولیٰ پر نافذ ہوگا۔ اسی طرح بیع کے بارے میں شفیع کا جھل عذر مقبول ہے جب تک اسے علم نہیں ہوگا حق شفعہ حاصل رہے گا۔ اسی طرح عبد کی جنایت کے بارے میں مولیٰ کا جھل عذر مقبول

ہے لہذا اگر وہ اطلاع سے قبل غلام کو آزاد کر دے تو اسے جنایت کا فدیہ ادا کرنے کا اختیار نہیں ہوگا بلکہ غلام اور بدل میں سے جس کی قیمت کم ہوگی اس کی ادائیگی واجب ہوگی۔ اسی طرح باکرہ بالغہ کا نکاح کے بارے میں جھل عذر مقبول ہے یعنی لڑکی کے ولی نے اس کا نکاح صحیح کر دیا ہو اور اسے اس کا علم ہی نہ ہوا ہو تو اس کا خاموش رہنا رضا کی دلیل نہیں ہوگا۔ اسی طرح مولیٰ نے منکوحہ باندی کو آزاد کر دیا اسے آزاد کئے جانے کا علم نہ ہو یا آزاد کئے جانے کا علم ہو مگر اسے خیار عتق (یعنی آزاد ہونے کے بعد اسے نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہونے) کا علم نہ ہو تو اس کا یہ جھل عذر مقبول ہے کیونکہ باندی تو ہمیشہ مولیٰ کی خدمت میں مشغول رہتی ہے اسے علوم حاصل کرنے کی فرصت نہیں ملتی ہے۔ لہذا اسے اسے جب بھی علم حاصل ہو نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ البتہ خیار بلوغ کا جھل عذر مقبول نہیں ہے یعنی قبل بلوغ لڑکی کا نکاح اسکے ولی نے کر دیا ہو اور اس کو اس نکاح کا علم ہو لیکن یہ معلوم نہ ہو کہ اس کو بالغ ہونے کے بعد نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے اور وہ بالغ ہو گئی اور اپنا نکاح لاعلمی کی وجہ سے فسخ نہیں کیا تو اس کا یہ جھل عذر مقبول نہیں ہوگا کیونکہ دارالاسلام میں احکام شرعیہ مشہور ہوتے ہیں اور وہ سیکھنے پر قادر بھی ہوتی ہے اس کے باوجود نہ سیکھنا اسکی اپنی کوتاہی ہے۔



سکر کا بیان

سکر:

السکر هي حالة تعرض الانسان من امتلاء دماغه من الابخرة المتصاعدة

اليه فيتعطل منه العقل المميز بين الامور الحسنه والقيحة

یعنی سکر ایک ایسی کیفیت ہے جو انسان کو اس وقت لاحق ہوتی ہے جب دماغ کی جانب

چڑھنے والے بخارات سے دماغ بھر جاتا ہے جس کی وجہ سے عقل اچھے برے امور میں تمیز

کرنا چھوڑتی ہے۔

سکر کی اقسام

سکر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) سکر جو مباح طریقے سے حاصل ہو۔

(۲) سکر جو ممنوعہ طریقے سے حاصل ہو۔

قسم اول:

یعنی وہ سکر جو مباح طریقے سے حاصل ہو جیسے نشہ آور دواء کا پینا یا حالت اکراہ میں شراب پینا یا حالت اضطرار میں شراب پینا۔
حکم:

یہ سکر اغناء یعنی بے ہوشی کے منزلہ میں ہے۔ اس حالت میں بندے کے تمام تصرفات جیسے طلاق، عتاق وغیرہ باطل ہوں گے۔
قسم دوم:

یعنی وہ سکر جو ممنوعہ طریقے سے حاصل ہو جیسے کسی عذر شرعی کے بغیر شراب پینا۔
حکم:

یہ سکر اہلیت خطاب کے منافی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ﴾ یہ خطاب حالت سکر سے متعلق ہے۔
تفریعات:

اس حالت میں سکران کو تمام احکام شرع لازم ہوں گے اور اس کے تمام تصرفات نافذ ہوں گے مثلاً طلاق، عتاق، بیع، شراء وغیرہ۔ اور یہ احکام سکران کے حق میں زبرد تو بیخ کے طور پر نافذ کئے گئے ہیں کہ اس نے ممنوعہ چیز کا ارتکاب کیا ہے۔
ارتداد کا حکم:

اگر بندہ اس حالت میں مرتد ہو جائے تو از روئے استحسان ارتداد کا حکم نہیں دیا جائے

گا کیونکہ کفر اعتقاد اور ارادے سے ثابت ہوتا ہے جو کہ سکران میں نہیں پایا جاتا ہے۔
 اسی طرح ایسی حدود جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کیلئے ہوں ان کا اقرار بھی معتبر نہیں ہوگا کیونکہ
 ان میں رجوع معتبر ہوتا ہے۔ اور حالت سکر میں بندہ کسی ایک چیز پر قائم نہیں رہتا ہے کبھی
 کچھ کہتا ہے اور کبھی کچھ لہذا سکر کو رجوع کے قائم مقام کر دیا گیا۔
 البتہ اگر ایسی حدود کا اقرار کرے جو خالصتاً حدود اللہ نہ ہوں جیسے قذف، قصاص وغیرہ تو ان
 میں رجوع معتبر نہیں ہوگا کیونکہ ان کا تعلق حقوق العباد سے بھی ہوتا ہے۔

هزل کا بیان

هزل:

اس کا لغوی معنی ہے لعب یعنی مزاح کرنا۔

اصطلاحی معنی:

الهزل هو ان يراد بالشي غير ما وضع له
 یعنی هزل یہ ہے کہ لفظ سے نہ حقیقی معنی مراد لیا جائے نہ مجازی۔

احکام:

هزل بندے کے اختیار و رضا کے منافی نہیں ہے کیونکہ هزل میں بندہ کسی کے مجبور کئے بغیر
 اپنی مرضی سے سبب یعنی مزاحیہ تکلم کا ارتکاب کرتا ہے۔
 لہذا اگر کوئی هزل لا کفر کرے تو اسکی تکفیر کی جائے گی۔

البتہ هزل اختیار حکم اور رضا باحکم کے منافی ہے۔ جیسا کہ بیع بشرط الخيار میں نفس عقد میں تو
 رضا ظاہر ہے لیکن شرط اختیار حکم عقد پر رضا کے خلاف ہے۔ لہذا اس سے دو قواعد معلوم ہوئے

(۱) قاعدة کلیه:

كل حكم يتعلق بالسبب و هو التلفظ ولا يتوقف ثبوته على الرضاء والا

اختیار یثبت بالہزل

یعنی ہر حکم جو تلفظ سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا ثبوت رضاء اور اختیار پر موقوف نہ ہو وہ ہزل سے ثابت ہو جاتا ہے۔ جیسے طلاق، عتاق وغیرہ۔

(۲) قاعدہ کلیہ:

کل حکم يتعلق بالرضاء والاختیار ویوقوف ثبوته علیہما فیوثر الہزل فی نقضه

یعنی ہر حکم جس کا تعلق رضاء اور اختیار سے ہو اور اس کا ثبوت ان دونوں پر موقوف ہو تو اس حکم کے سقوط میں ہزل موثر ہوتا ہے۔ جیسے بیع، اجارہ وغیرہ۔

ان امور کا بیان جن میں ہزل پایا جاتا ہے

ایسے امور جن میں ہزل پایا جاتا ہے ان کی تین اقسام ہیں۔

(۱) انشاء تصرف۔

(۲) اخبار عن التصرف۔

(۳) امور متعلقہ بالاعتقاد۔

پھر انشاء کی دو قسمیں ہیں:

(۱) انشاء ماکتمل النقص۔ (۲) انشاء مالا مکتمل النقص۔

اخبار کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) اخبار ماکتمل النقص۔ (۲) اخبار مالا مکتمل النقص۔

اعتقاد کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) اعتقاد حسن جیسے ایمان۔ (۲) اعتقاد فبیح جیسے کفر۔

پھر انشاء کی قسم اول کی تین اقسام ہیں:

(۱) ہزل باصل العقد۔ (۲) ہزل بقدر العوض فیہ۔ (۳) ہزل بنجس العوض۔

پھر ان تینوں اقسام میں سے ہر ایک کی چار چار اقسام ہیں:
(۱) ہزل پر مواضعت کے بعد دونوں اعراض پر اتفاق کر لیں۔

(۲) دونوں مواضعت پر متفق ہوں۔

(۳) دونوں خالی الذہن ہوں۔

(۴) مواضعت و اعراض پر دونوں میں اختلاف ہو جائے۔

(یہ اقسام فائدے کے پیش نظر بیان کی گئی ہیں لو امکان فلیحفظ)

مسئلہ:

اگر ہزل پر بائع اور مشتری دونوں متفق ہوں تو بیع فاسد ہوگی اور موجب ملک نہیں ہوگی اگرچہ بیع اور ثمن پر قبضہ ہو چکا ہو یہاں تک کہ بیع اگر غلام ہو مشتری اسے قبضہ میں لیکر آزاد کر دے تو وہ آزاد نہیں ہوگا کیونکہ مشتری کیلئے تو ملکیت ہی ثابت نہیں ہوئی ہے۔ اور یہ ہزل ثبوت ملک میں ایسا مانع ہے جیسے عاقدین کا ”شرط خیار ابدی“ ثبوت ملک کیلئے مانع ہوتا ہے۔ کہ اگر عاقدین عقد میں ہمیشہ کیلئے خیار کی شرط لگا دیں تو عقد فاسد ہو جاتا ہے۔ اس احتمال پر کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی اپنے خیار کو استعمال کر سکتا ہے تو اس طرح مشتری کیلئے ملک ثابت نہیں ہوگی۔ یونہی دونوں جانب سے شرط خیار کو ختم کئے جانے کا بھی احتمال ہے جس سے عقد درست ہو سکتا ہے۔ تو یہی حال ہزل کا ہے لہذا عاقدین اگر ہزل سے اعراض پر متفق ہو جائیں تو بیع جائز ہو جائے گی البتہ اگر ایک اعراض کر لے اور دوسرا اعراض نہ کرے تو بیع دوسرے کے اعراض پر موقوف ہوگی۔ چونکہ ہزل کو بیع بشرط الخیار پر قیاس کیا گیا ہے اور بیع میں خیار کی مدت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک تین دن ہے تو اسی طرح ہزل میں بھی آپ علیہ الرحمہ کے نزدیک اعراض کی مدت تین دن ہے اس کے بعد اعراض کریں تو بیع درست نہیں ہوگی بخلاف صاحبین علیہما الرحمہ کے۔

مسئلہ:

اصل بیع پر دونوں کا اتفاق ہو ہزل مقدار ثمن میں یا جنس ثمن میں ہو مثلاً دونوں نے مقدار ثمن ایک ہزار درہم طے کی اور عقد کے وقت لوگوں کے سامنے بطور ہزل دو ہزار درہم بولے یا درہم کی جگہ دینار بولے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں ہزل باطل ہوگا اور جو عقد کے وقت بولا وہی درست ہوگا۔

صاحبین علیہما الرحمہ کا مذہب:

پہلی صورت میں ایک ہزار درہم صحیح ہوں گے اور دوسری صورت میں ایک سودینا صحیح ہوں گے کیونکہ پہلی صورت ہی اتحاد جنس کی وجہ سے ہزل اور جد میں کوئی تعارض نہیں ہے لہذا ان دونوں کو جمع کرنا ممکن ہے اس طرح کہ عقد کو ہزار درہم میں منعقد مانا جائے اور بقایا ہزار درہم جن کا مطالبہ نہیں ہے ان کو باطل مانا جائے کیونکہ عاقدین ان ہزار درہم سے متعلق ہزل پر متفق ہیں اور ہر شرط جس کا بندوں کی جانب سے مطالبہ نہیں ہوتا ہے اسکی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوتا ہے جبکہ دوسری صورت میں چونکہ اختلاف جنس ہے جس کی وجہ سے ہزل اور جد کو جمع کرنا ممکن نہیں ہے لہذا ایک سودینا ہی ثمن ہوں گے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی جانب سے جواب:

عقد اصل ہے اور ثمن وصف ہے۔ اور ہم صاحبین کے قول ”عدم تعارض“ کے بارے میں تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ عاقدین ”اصل عقد“ کے جد ہونے پر متفق ہیں اور عمل بالمواضعۃ فی البدل (یعنی ان کا باہمی اتفاق کے ذریعہ ایک ہزار درہم مقرر کرنے اور دو ہزار کو لازم نہ کرنے کا عمل) کل بدل کی قبولیت کو بیع میں شرط فاسد بنا دیتا ہے کہ ایسی چیز قبول کرنے کی شرط لگا دی گئی ہے جو کہ بیع کے مقتضیات میں سے نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے بیع فاسد ہو جاتا ہے لہذا یہاں اصل عقد اور قدر ثمن کی مواضعۃ میں تعارض ہو گیا۔ اور وصف کے ہنسبت اصل پر عمل اولیٰ ہوتا ہے اسلئے دونوں مواضعین یعنی مواضعۃ فی اصل العقد اور مواضعۃ فی قدر الثمن کے تعارض کے وقت اصل پر عمل کرتے ہوئے مواضعۃ فی اصل العقد کو صحیح اور

ہزل کو باطل قرار دیا جائے گا۔ لہذا عقد کے وقت بیان کی گئی مقدار صحیح قرار پائے گی۔
نکاح کا حکم:

نکاح کے احکام بیع سے مختلف ہیں لہذا اگر مرد و عورت مقدار مہر میں ہزل پر متفق ہوں کہ درحقیقت مہر ایک ہزار درہم ہونگے اور عقد کے وقت لوگوں کے سامنے دو ہزار درہم بولیں گے تو بالا جماع اول ہی مہر قرار پائے گا اور اگر ہزل سے اعراض پر متفق ہوں تو بالاتفاق دو ہزار قرار پائیں گے۔ کیونکہ نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا ہے اسلئے دونوں مواضع پر عمل کرنا ممکن ہے۔ اسی طرح ہزل اگر جنس مہر میں ہو کہ درحقیقت درہم ہوں گے اور لوگوں کے سامنے دینار بولیں گے۔

تو اگر فریقین ہزل سے اعراض پر متفق ہوں تو مہر مسمی ہی مقرر ہوگا اور اگر ہزل پر متفق ہوں یا دونوں خالی الذہن ہوں یا باہم اختلاف ہو جائے تو ان تینوں صورتوں میں گویا انہوں نے مہر کا ذکر کیا ہی نہیں ہے۔ اور نکاح مہر کا ذکر کے بغیر منعقد ہو جاتا ہے۔ بخلاف بیع کے کہ یہ ثمن کے ذکر کے بغیر منعقد نہیں ہوتی ہے اسی طرح ہزل اگر اصل نکاح میں ہو تو نکاح منعقد اور ہزل باطل ہوگا خواہ چاروں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت پائی جائے۔ یہی حکم طلاق، عتاق، قصاص معاف کرنے اور یمین و نذر کا ہے۔

کیونکہ سرور کائنات ﷺ کا فرمان ہے:

«ثَلَاثُ جَدَ هُنَّ جَدُّ هَزْلِهِنَّ جَدُّ النِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ»۔ مزید یہ ہے کہ عتاق ان چیزوں کے سبب (یعنی تکلم) کو خود اختیار کرنا ہے اور اس پر راضی بھی ہوتا ہے البتہ اس کے حکم پر راضی نہیں ہوتا ہے۔ اور ان اسباب کے احکام ”رد و تراخی“ کا احتمال نہیں رکھتے ہیں اس لئے بندہ راضی ہو یا نہ ہو اسباب پائے جانے پر احکام نافذ ہو جاتے ہیں کیونکہ رد و تراخی کا احتمال تو وہاں پایا جاتا ہے جہاں خیار شرط ممکن ہوتا ہے جبکہ ان امور میں خیار شرط کا امکان نہیں ہوتا ہے۔

وہ امور جن میں مال مقصود ہو:

وہ امور جن میں مال مقصود ہو جیسے خلع، طلاق علی المال اور قتل عمد میں مال کے عوض صلح وغیرہ۔

ان امور میں ہزل اصل عقد میں ہو مقدار بدل میں ہو یا جنس بدل میں پھر یہ صورتیں مذکورہ چاروں صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں پائی جائیں صاحبین علیہما الرحمہ کے نزدیک تمام صورتوں میں ہزل باطل ہوگا تصرف ثابت اور مال مسمی لازم ہوگا۔ جبکہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ہزل مؤثر ہوگا۔

لہذا صاحبین کے نزدیک خلع میں طلاق واقع اور مال مسمی لازم ہو جائے گا کیونکہ خلع خیار شرط کا احتمال نہیں رکھتا ہے جبکہ ہزل خیار شرط کے منزلہ میں ہے لہذا خلع اسکا بھی احتمال نہیں رکھے گا۔

اعتراض:

ہم مان لیتے ہیں کہ خلع میں ہزل مؤثر نہیں ہوتا ہے لیکن بدل خلع میں تو مؤثر ہونا چاہیے کیونکہ وہ مال ہے اور مال میں ہزل مؤثر ہوتا ہے۔

جواب:

ہزل مال میں اسوقت مؤثر ہوتا ہے کہ جب مال مقصود بالذات ہو جبکہ خلع میں جو مال ہوتا ہے وہ خلع کے ضمن میں تبعاً ثابت ہوتا ہے لہذا جب متضمن میں ہزل مؤثر نہیں ہے تو جو اسکے ضمن میں ہوگا اس میں مؤثر کیسے ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ مال ایسے امر کے حکم میں ہو گیا ہے جو فنخ کا احتمال نہیں رکھتا ہے۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک:

خلع میں طلاق ہر حال میں عورت کے اختیار پر موقوف ہوگی کیونکہ ہزل خیار شرط کے منزلہ میں ہے۔ لہذا عورت نہ چاہے گی تو نہ طلاق واقع نہ مال لازم ہوگا اور چاہے گی تو

طلاق واقع ہوگی اور مال بھی لازم ہوگا جیسے جامع صغیر میں ہے کہ عورت اپنی جانب سے خیار شرط رکھے تو اسکے چاہے بغیر نہ طلاق واقع ہوتی ہے نہ مال لازم ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہوگا۔

البتہ جیسے بیع میں خیار شرط کی مدت تین دن ہوتی ہے خلع میں تین دن نہیں ہوگی بلکہ اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ خلع میں خیار شرط قیاس کے مطابق ہے اور یہ اسقاط کے قبیل سے ہے کیونکہ یہ طلاق ہے جس کو شرط کے ساتھ مدت معین کئے بغیر مطلقاً معلق کیا جا سکتا ہے۔ بخلاف بیع کے کہ اس میں خیار شرط خلاف قیاس ہے اور یہ اثبات کے قبیل سے ہے لہذا نص پر اقتصار کرتے ہوئے تین دن ہی متعین کر دئے گئے۔

نوٹ:

خلع جیسے دیگر امور مذکورہ میں بھی یہی احکام جاری ہوں گے۔

فائدہ:

وہ امور جن میں ہزل موثر ہے وہاں عاقدین اگر بناء علی الموائضت پر اتفاق کر لیں تو موائضت پر عمل لازم ہوگا۔ اور اگر اعراض و بناء میں اختلاف ہو جائے یا اعراض پر اتفاق ہو جائے تو عقد کو جد پر محمول کیا جائے گا۔ اور اس صورت میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جد کے مدعی کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔ بخلاف صاحبین علیہما الرحمہ کے۔ بطور ہزل اقرار کرنا:

ہزل اقرار کو باطل کر دیتا ہے اقرار خواہ ان چیزوں سے متعلق ہو جو قابل نسخ ہیں جیسے بیع، اجارہ وغیرہ یا ان چیزوں سے متعلق ہو جو نا قابل نسخ ہیں جیسے نکاح، طلاق، عتاق وغیرہ۔

کیونکہ اقرار بخبر بہ (جس چیز کا اقرار کیا گیا) کے وجود پر دلالت کرتا ہے جبکہ ہزل اس کے عدم پر دلالت کرتا ہے۔ اور اجتماع ضدین محال ہے لہذا ہزل کے ہوتے ہوئے اقرار

باطل ہوگا۔ اسی طرح فوری طور پر طلب شفعہ اور شفعہ پر گواہ طلب کرنے کے بعد بطور ہزل حق شفعہ کسی کو سپرد کر دے اور خود دستبردار ہو جائے تو ہزل اس سپردگی کو باطل کر دے گا اور حق شفعہ بدستور اس کے حق میں باقی رہے گا۔ کیونکہ تسلیم شفعہ ان چیزوں کی جنس میں سے ہے جو اختیار شرط سے باطل ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح مقروض کو بطور ہزل قرض سے بری کر دینا باطل ہے قرض بدستور باقی رہے گا۔ البتہ کافر جب بطور ہزل اسلام قبول کر لے اور اپنے دین سے بیزاری کا اظہار کرے تو اس پر احکام دنیا میں اسلام کے احکام جاری کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ ایمان کا رکن اصلی اقرار پایا گیا ہے۔ جیسے مکرہ علی الاسلام اگر اسلام قبول کر لے تو اس پر احکام دنیا میں احکام اسلام نافذ کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ ایمان بمنزلہ انشاء کے ہے کہ یہ رد و تراخی کا احتمال نہیں رکھتا ہے۔

سفسہ کا بیان

سفسہ کا لغوی معنی ہے الخفة (بیوقوفی)

اصطلاحی معنی:

السفسہ خفة تعترى الانسان فتحمله على العمل بخلاف موجب الشرع والعقل مع قيام العقل حقيقة

یعنی سفاہت وہ بے وقوفی ہے جو بندے کو شرع و عقل کے تقاضے کے برخلاف عمل کرنے پر ابھارتی ہے باوجودیکہ اس میں عقل حقیقتاً موجود ہوتی ہے۔

احکام:

سفاہت اہلیت میں مطلقاً مغل نہیں ہوتی ہے خواہ وہ اہلیت خطاب ہو یا اہلیت وجوب کیونکہ سفسیہ میں عقل پائی جاتی ہے اسی طرح احکام شرع میں بھی کسی حکم شرعی کیلئے مانع نہیں ہوتی ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب:

سفیہ کے تمام تصرفات درست ہوں گے وہ کسی بھی طرح مجبور نہیں ہوگا عام ازیں کہ تصرفات ایسے امور میں ہوں جو ہزل سے باطل ہو جاتے ہیں جیسے بیع، اجارہ وغیرہ۔ یا ایسے امور میں ہوں جو ہزل سے باطل نہیں ہوتے جیسے طلاق، عتاق وغیرہ۔ کیونکہ وہ آزاد اور مکلف ہوتا ہے۔

صاحبین علیہما الرحمہ کا مذہب:

وہ امور جو ہزل سے باطل نہیں ہوتے ہیں صرف ان میں تصرفات درست ہوں گے۔ اور جو ہزل سے باطل ہو جاتے ہیں ان میں بندے پر رحم کے پیش نظر تصرفات نافذ نہیں ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيَمَلْ لَهُ بِالْعَدْلِ﴾ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ان امور میں اس کو مجبور قرار نہیں دیں گے تو وہ اپنا سارا مال خرچ کر کے بیت المال کا محتاج ہو جائے گا جس سے وہ مسلمانوں پر ایک بوجھ بن جائے گا۔

جواب:

سفاہت امر کسی ہے بندہ نفسانی خواہشات کے غلبہ کی وجہ سے معصیت کا ارتکاب کرتا ہے لہذا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔

اعتراض:

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اگر سفیہ قابل رحم نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے وہ کسی بھی طرح مجبور نہیں ہوتا ہے تو پھر پچیس سال کی عمر تک اس سے مال روکنے کا حکم کیوں دیتے ہیں؟

جواب:

سفیہ سے اول بلوغ میں مال کو روکنا نص سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَأُولَٰئِكَ الْأُمَمُ ۚ﴾ اور روکنا نص سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَأُولَٰئِكَ الْأُمَمُ ۚ﴾ یہ حکم یا تو معصیت کی وجہ

سکر کی اقسام

سکر کی دو قسمیں ہیں:

(۱) سکر جو مباح طریقے سے حاصل ہو۔

(۲) سکر جو ممنوعہ طریقے سے حاصل ہو۔

قسم اول:

یعنی وہ سکر جو مباح طریقے سے حاصل ہو جیسے نشہ آور دواء کا پینا یا حالت اکراہ میں شراب پینا یا حالت اضطرار میں شراب پینا۔
حکم:

یہ سکر اغناء یعنی بے ہوشی کے منزلہ میں ہے۔ اس حالت میں بندے کے تمام تصرفات جیسے طلاق، عتاق وغیرہ باطل ہوں گے۔
قسم دوم:

یعنی وہ سکر جو ممنوعہ طریقے سے حاصل ہو جیسے کسی عذر شرعی کے بغیر شراب پینا۔
حکم:

یہ سکر اہلیت خطاب کے منافی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ﴾ یہ خطاب حالت سکر سے متعلق ہے۔
تفریعات:

اس حالت میں سکران کو تمام احکام شرع لازم ہوں گے اور اس کے تمام تصرفات نافذ ہوں گے مثلاً طلاق، عتاق، بیع، شراء وغیرہ۔ اور یہ احکام سکران کے حق میں زبرد تو بیخ کے طور پر نافذ کئے گئے ہیں کہ اس نے ممنوعہ چیز کا ارتکاب کیا ہے۔
ارتداد کا حکم:

اگر بندہ اس حالت میں مرتد ہو جائے تو از روئے استحسان ارتداد کا حکم نہیں دیا جائے

گا کیونکہ کفر اعتقاد اور ارادے سے ثابت ہوتا ہے جو کہ سکران میں نہیں پایا جاتا ہے۔
 اسی طرح ایسی حدود جو خالصتاً اللہ تعالیٰ کیلئے ہوں ان کا اقرار بھی معتبر نہیں ہوگا کیونکہ
 ان میں رجوع معتبر ہوتا ہے۔ اور حالت سکر میں بندہ کسی ایک چیز پر قائم نہیں رہتا ہے کبھی
 کچھ کہتا ہے اور کبھی کچھ لہذا سکر کو رجوع کے قائم مقام کر دیا گیا۔
 البتہ اگر ایسی حدود کا اقرار کرے جو خالصتاً حدود اللہ نہ ہوں جیسے قذف، قصاص وغیرہ تو ان
 میں رجوع معتبر نہیں ہوگا کیونکہ ان کا تعلق حقوق العباد سے بھی ہوتا ہے۔

هزل کا بیان

هزل:

اس کا لغوی معنی ہے لعب یعنی مزاح کرنا۔

اصطلاحی معنی:

الهزل هو ان يراد بالشي غير ما وضع له
 یعنی هزل یہ ہے کہ لفظ سے نہ حقیقی معنی مراد لیا جائے نہ مجازی۔

احکام:

هزل بندے کے اختیار و رضا کے منافی نہیں ہے کیونکہ هزل میں بندہ کسی کے مجبور کئے بغیر
 اپنی مرضی سے سبب یعنی مزاحیہ تکلم کا ارتکاب کرتا ہے۔
 لہذا اگر کوئی هزل لا کفر کرے تو اسکی تکفیر کی جائے گی۔

البتہ هزل اختیار حکم اور رضا بالحکم کے منافی ہے۔ جیسا کہ بیع بشرط الخيار میں نفس عقد میں تو
 رضا ظاہر ہے لیکن شرط خيار حکم عقد پر رضا کے خلاف ہے۔ لہذا اس سے دو قواعد معلوم ہوئے

(۱) قاعدة کلیه:

كل حكم يتعلق بالسبب و هو التلفظ ولا يتوقف ثبوته على الرضاء والا

اختیار یثبت بالہزل

یعنی ہر حکم جو تلفظ سے تعلق رکھتا ہے اور اس کا ثبوت رضاء اور اختیار پر موقوف نہ ہو وہ ہزل سے ثابت ہو جاتا ہے۔ جیسے طلاق، عتاق وغیرہ۔

(۲) قاعدہ کلیہ:

کل حکم يتعلق بالرضاء والاختیار ویوقوف ثبوته علیہما فیوثر الہزل فی نقضه

یعنی ہر حکم جس کا تعلق رضاء اور اختیار سے ہو اور اس کا ثبوت ان دونوں پر موقوف ہو تو اس حکم کے سقوط میں ہزل موثر ہوتا ہے۔ جیسے بیع، اجارہ وغیرہ۔

ان امور کا بیان جن میں ہزل پایا جاتا ہے

ایسے امور جن میں ہزل پایا جاتا ہے ان کی تین اقسام ہیں۔

(۱) انشاء تصرف۔

(۲) اخبار عن التصرف۔

(۳) امور متعلقہ بالاعتقاد۔

پھر انشاء کی دو قسمیں ہیں:

(۱) انشاء ماکتمل النقص۔ (۲) انشاء مالا مکتمل النقص۔

اخبار کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) اخبار ماکتمل النقص۔ (۲) اخبار مالا مکتمل النقص۔

اعتقاد کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) اعتقاد حسن جیسے ایمان۔ (۲) اعتقاد فبیح جیسے کفر۔

پھر انشاء کی قسم اول کی تین اقسام ہیں:

(۱) ہزل باصل العقد۔ (۲) ہزل بقدر العوض فیہ۔ (۳) ہزل بنجس العوض۔

پھر ان تینوں اقسام میں سے ہر ایک کی چار چار اقسام ہیں:
(۱) ہزل پر مواضعت کے بعد دونوں اعراض پر اتفاق کر لیں۔

(۲) دونوں مواضعت پر متفق ہوں۔

(۳) دونوں خالی الذہن ہوں۔

(۴) مواضعت و اعراض پر دونوں میں اختلاف ہو جائے۔

(یہ اقسام فائدے کے پیش نظر بیان کی گئی ہیں لو امکان فلیحفظ)

مسئلہ:

اگر ہزل پر بائع اور مشتری دونوں متفق ہوں تو بیع فاسد ہوگی اور موجب ملک نہیں ہوگی اگرچہ بیع اور ثمن پر قبضہ ہو چکا ہو یہاں تک کہ بیع اگر غلام ہو مشتری اسے قبضہ میں لیکر آزاد کر دے تو وہ آزاد نہیں ہوگا کیونکہ مشتری کیلئے تو ملکیت ہی ثابت نہیں ہوئی ہے۔ اور یہ ہزل ثبوت ملک میں ایسا مانع ہے جیسے عاقدین کا ”شرط خیار ابدی“ ثبوت ملک کیلئے مانع ہوتا ہے۔ کہ اگر عاقدین عقد میں ہمیشہ کیلئے خیار کی شرط لگا دیں تو عقد فاسد ہو جاتا ہے۔ اس احتمال پر کہ ان دونوں میں سے کوئی بھی اپنے خیار کو استعمال کر سکتا ہے تو اس طرح مشتری کیلئے ملک ثابت نہیں ہوگی۔ یوں ہی دونوں جانب سے شرط خیار کو ختم کئے جانے کا بھی احتمال ہے جس سے عقد درست ہو سکتا ہے۔ تو یہی حال ہزل کا ہے لہذا عاقدین اگر ہزل سے اعراض پر متفق ہو جائیں تو بیع جائز ہو جائے گی البتہ اگر ایک اعراض کر لے اور دوسرا اعراض نہ کرے تو بیع دوسرے کے اعراض پر موقوف ہوگی۔ چونکہ ہزل کو بیع بشرط الخیار پر قیاس کیا گیا ہے اور بیع میں خیار کی مدت امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک تین دن ہے تو اسی طرح ہزل میں بھی آپ علیہ الرحمہ کے نزدیک اعراض کی مدت تین دن ہے اس کے بعد اعراض کریں تو بیع درست نہیں ہوگی بخلاف صاحبین علیہما الرحمہ کے۔

مسئلہ:

اصل بیع پر دونوں کا اتفاق ہو ہزل مقدار ثمن میں یا جنس ثمن میں ہو مثلاً دونوں نے مقدار ثمن ایک ہزار درہم طے کی اور عقد کے وقت لوگوں کے سامنے بطور ہزل دو ہزار درہم بولے یا درہم کی جگہ دینار بولے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں ہزل باطل ہوگا اور جو عقد کے وقت بولا وہی درست ہوگا۔

صاحبین علیہما الرحمہ کا مذہب:

پہلی صورت میں ایک ہزار درہم صحیح ہوں گے اور دوسری صورت میں ایک سودینا صحیح ہوں گے کیونکہ پہلی صورت ہی اتحاد جنس کی وجہ سے ہزل اور جد میں کوئی تعارض نہیں ہے لہذا ان دونوں کو جمع کرنا ممکن ہے اس طرح کہ عقد کو ہزار درہم میں منعقد مانا جائے اور بقایا ہزار درہم جن کا مطالبہ نہیں ہے ان کو باطل مانا جائے کیونکہ عاقدین ان ہزار درہم سے متعلق ہزل پر متفق ہیں اور ہر شرط جس کا بندوں کی جانب سے مطالبہ نہیں ہوتا ہے اسکی وجہ سے عقد فاسد نہیں ہوتا ہے جبکہ دوسری صورت میں چونکہ اختلاف جنس ہے جس کی وجہ سے ہزل اور جد کو جمع کرنا ممکن نہیں ہے لہذا ایک سودینا ہی ثمن ہوں گے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی جانب سے جواب:

عقد اصل ہے اور ثمن وصف ہے۔ اور ہم صاحبین کے قول ”عدم تعارض“ کے بارے میں تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ عاقدین ”اصل عقد“ کے جد ہونے پر متفق ہیں اور عمل بالمواضعت فی البدل (یعنی ان کا باہمی اتفاق کے ذریعہ ایک ہزار درہم مقرر کرنے اور دو ہزار کو لازم نہ کرنے کا عمل) کل بدل کی قبولیت کو بیع میں شرط فاسد بنا دیتا ہے کہ ایسی چیز قبول کرنے کی شرط لگا دی گئی ہے جو کہ بیع کے مقتضیات میں سے نہیں ہے۔ جس کی وجہ سے بیع فاسد ہو جاتا ہے لہذا یہاں اصل عقد اور قدر ثمن کی مواضعت میں تعارض ہو گیا۔ اور وصف کے ہنسبت اصل پر عمل اولیٰ ہوتا ہے اسلئے دونوں مواضعتیں یعنی مواضعت فی اصل العقد اور مواضعت فی قدر الثمن کے تعارض کے وقت اصل پر عمل کرتے ہوئے مواضعت فی اصل العقد کو صحیح اور

ہزل کو باطل قرار دیا جائے گا۔ لہذا عقد کے وقت بیان کی گئی مقدار صحیح قرار پائے گی۔
نکاح کا حکم:

نکاح کے احکام بیع سے مختلف ہیں لہذا اگر مرد و عورت مقدار مہر میں ہزل پر متفق ہوں کہ درحقیقت مہر ایک ہزار درہم ہونگے اور عقد کے وقت لوگوں کے سامنے دو ہزار درہم بولیں گے تو بالا جماع اول ہی مہر قرار پائے گا اور اگر ہزل سے اعراض پر متفق ہوں تو بالاتفاق دو ہزار قرار پائیں گے۔ کیونکہ نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا ہے اسلئے دونوں مواضع پر عمل کرنا ممکن ہے۔ اسی طرح ہزل اگر جنس مہر میں ہو کہ درحقیقت درہم ہوں گے اور لوگوں کے سامنے دینار بولیں گے۔

تو اگر فریقین ہزل سے اعراض پر متفق ہوں تو مہر مسمی ہی مقرر ہوگا اور اگر ہزل پر متفق ہوں یا دونوں خالی الذہن ہوں یا باہم اختلاف ہو جائے تو ان تینوں صورتوں میں گویا انہوں نے مہر کا ذکر کیا ہی نہیں ہے۔ اور نکاح مہر کا ذکر کے بغیر منعقد ہو جاتا ہے۔ بخلاف بیع کے کہ یہ ثمن کے ذکر کے بغیر منعقد نہیں ہوتی ہے اسی طرح ہزل اگر اصل نکاح میں ہو تو نکاح منعقد اور ہزل باطل ہوگا خواہ چاروں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت پائی جائے۔ یہی حکم طلاق، عتاق، قصاص معاف کرنے اور یمین و نذر کا ہے۔

کیونکہ سرور کائنات ﷺ کا فرمان ہے:

«ثَلَاثُ جَدَ هُنَّ جَدُّ هَزْلِهِنَّ جَدُّ النِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالْعَتَاقِ»۔ مزید یہ ہے کہ عتاق ان چیزوں کے سبب (یعنی تکلم) کو خود اختیار کرنا ہے اور اس پر راضی بھی ہوتا ہے البتہ اس کے حکم پر راضی نہیں ہوتا ہے۔ اور ان اسباب کے احکام ”رد و تراخی“ کا احتمال نہیں رکھتے ہیں اس لئے بندہ راضی ہو یا نہ ہو اسباب پائے جانے پر احکام نافذ ہو جاتے ہیں کیونکہ رد و تراخی کا احتمال تو وہاں پایا جاتا ہے جہاں خیار شرط ممکن ہوتا ہے جبکہ ان امور میں خیار شرط کا امکان نہیں ہوتا ہے۔

وہ امور جن میں مال مقصود ہو:

وہ امور جن میں مال مقصود ہو جیسے خلع، طلاق علی المال اور قتل عمد میں مال کے عوض صلح وغیرہ۔

ان امور میں ہزل اصل عقد میں ہو مقدار بدل میں ہو یا جنس بدل میں پھر یہ صورتیں مذکورہ چاروں صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں پائی جائیں صاحبین علیہما الرحمہ کے نزدیک تمام صورتوں میں ہزل باطل ہوگا تصرف ثابت اور مال مسکى لازم ہوگا۔ جبکہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک ہزل مؤثر ہوگا۔

لہذا صاحبین کے نزدیک خلع میں طلاق واقع اور مال مسکى لازم ہو جائے گا کیونکہ خلع خیار شرط کا احتمال نہیں رکھتا ہے جبکہ ہزل خیار شرط کے منزلہ میں ہے لہذا خلع اسکا بھی احتمال نہیں رکھے گا۔

اعتراض:

ہم مان لیتے ہیں کہ خلع میں ہزل مؤثر نہیں ہوتا ہے لیکن بدل خلع میں تو مؤثر ہونا چاہئے کیونکہ وہ مال ہے اور مال میں ہزل مؤثر ہوتا ہے۔

جواب:

ہزل مال میں اسوقت مؤثر ہوتا ہے کہ جب مال مقصود بالذات ہو جبکہ خلع میں جو مال ہوتا ہے وہ خلع کے ضمن میں تبعاً ثابت ہوتا ہے لہذا جب متضمن میں ہزل مؤثر نہیں ہے تو جو اسکے ضمن میں ہوگا اس میں مؤثر کیسے ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ مال ایسے امر کے حکم میں ہو گیا ہے جو فنخ کا احتمال نہیں رکھتا ہے۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک:

خلع میں طلاق ہر حال میں عورت کے اختیار پر موقوف ہوگی کیونکہ ہزل خیار شرط کے منزلہ میں ہے۔ لہذا عورت نہ چاہے گی تو نہ طلاق واقع نہ مال لازم ہوگا اور چاہے گی تو

طلاق واقع ہوگی اور مال بھی لازم ہوگا جیسے جامع صغیر میں ہے کہ عورت اپنی جانب سے خیار شرط رکھے تو اسکے چاہے بغیر نہ طلاق واقع ہوتی ہے نہ مال لازم ہوتا ہے۔ تو یہاں بھی اسی طرح ہوگا۔

البتہ جیسے بیع میں خیار شرط کی مدت تین دن ہوتی ہے خلع میں تین دن نہیں ہوگی بلکہ اس سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ خلع میں خیار شرط قیاس کے مطابق ہے اور یہ اسقاط کے قبیل سے ہے کیونکہ یہ طلاق ہے جس کو شرط کے ساتھ مدت معین کئے بغیر مطلقاً معلق کیا جا سکتا ہے۔ بخلاف بیع کے کہ اس میں خیار شرط خلاف قیاس ہے اور یہ اثبات کے قبیل سے ہے لہذا نص پر اقتصار کرتے ہوئے تین دن ہی متعین کر دئے گئے۔

نوٹ:

خلع جیسے دیگر امور مذکورہ میں بھی یہی احکام جاری ہوں گے۔

فائدہ:

وہ امور جن میں ہزل موثر ہے وہاں عاقدین اگر بناء علی المواضعت پر اتفاق کر لیں تو مواضعت پر عمل لازم ہوگا۔ اور اگر اعراض و بناء میں اختلاف ہو جائے یا اعراض پر اتفاق ہو جائے تو عقد کو جد پر محمول کیا جائے گا۔ اور اس صورت میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک جد کے مدعی کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔ بخلاف صاحبین علیہما الرحمہ کے۔ بطور ہزل اقرار کرنا:

ہزل اقرار کو باطل کر دیتا ہے اقرار خواہ ان چیزوں سے متعلق ہو جو قابل نسخ ہیں جیسے بیع، اجارہ وغیرہ یا ان چیزوں سے متعلق ہو جو نا قابل نسخ ہیں جیسے نکاح، طلاق، عتاق وغیرہ۔

کیونکہ اقرار بخبر بہ (جس چیز کا اقرار کیا گیا) کے وجود پر دلالت کرتا ہے جبکہ ہزل اس کے عدم پر دلالت کرتا ہے۔ اور اجتماع ضدین محال ہے لہذا ہزل کے ہوتے ہوئے اقرار

باطل ہوگا۔ اسی طرح فوری طور پر طلب شفعہ اور شفعہ پر گواہ طلب کرنے کے بعد بطور ہزل حق شفعہ کسی کو سپرد کر دے اور خود دستبردار ہو جائے تو ہزل اس سپردگی کو باطل کر دے گا اور حق شفعہ بدستور اس کے حق میں باقی رہے گا۔ کیونکہ تسلیم شفعہ ان چیزوں کی جنس میں سے ہے جو اختیار شرط سے باطل ہو جاتی ہیں۔

اسی طرح مقروض کو بطور ہزل قرض سے بری کر دینا باطل ہے قرض بدستور باقی رہے گا۔ البتہ کافر جب بطور ہزل اسلام قبول کر لے اور اپنے دین سے بیزاری کا اظہار کرے تو اس پر احکام دنیا میں اسلام کے احکام جاری کرنا واجب ہوگا۔ کیونکہ ایمان کا رکن اصلی اقرار پایا گیا ہے۔ جیسے مکرہ علی الاسلام اگر اسلام قبول کر لے تو اس پر احکام دنیا میں احکام اسلام نافذ کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ ایمان بمنزلہ انشاء کے ہے کہ یہ رد و تراخی کا احتمال نہیں رکھتا ہے۔

سفسہ کا بیان

سفسہ کا لغوی معنی ہے الخفة (بیوقوفی)

اصطلاحی معنی:

السفسہ خفة تعترى الانسان فتحمله على العمل بخلاف موجب الشرع والعقل مع قيام العقل حقيقة

یعنی سفاہت وہ بے وقوفی ہے جو بندے کو شرع و عقل کے تقاضے کے برخلاف عمل کرنے پر ابھارتی ہے باوجودیکہ اس میں عقل حقیقتاً موجود ہوتی ہے۔

احکام:

سفاہت اہلیت میں مطلقاً مغل نہیں ہوتی ہے خواہ وہ اہلیت خطاب ہو یا اہلیت وجوب کیونکہ سفسیہ میں عقل پائی جاتی ہے اسی طرح احکام شرع میں بھی کسی حکم شرعی کیلئے مانع نہیں ہوتی ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا مذہب:

سفیہ کے تمام تصرفات درست ہوں گے وہ کسی بھی طرح مجبور نہیں ہوگا عام ازیں کہ تصرفات ایسے امور میں ہوں جو ہزل سے باطل ہو جاتے ہیں جیسے بیع، اجارہ وغیرہ۔ یا ایسے امور میں ہوں جو ہزل سے باطل نہیں ہوتے جیسے طلاق، عتاق وغیرہ۔ کیونکہ وہ آزاد اور مکلف ہوتا ہے۔

صاحبین علیہما الرحمہ کا مذہب:

وہ امور جو ہزل سے باطل نہیں ہوتے ہیں صرف ان میں تصرفات درست ہوں گے۔ اور جو ہزل سے باطل ہو جاتے ہیں ان میں بندے پر رحم کے پیش نظر تصرفات نافذ نہیں ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيَمَلْ لَهُ بِالْعَدْلِ﴾ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر ان امور میں اس کو مجبور قرار نہیں دیں گے تو وہ اپنا سارا مال خرچ کر کے بیت المال کا محتاج ہو جائے گا جس سے وہ مسلمانوں پر ایک بوجھ بن جائے گا۔

جواب:

سفاہت امر کسی ہے بندہ نفسانی خواہشات کے غلبہ کی وجہ سے معصیت کا ارتکاب کرتا ہے لہذا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔

اعتراض:

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک اگر سفیہ قابل رحم نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے وہ کسی بھی طرح مجبور نہیں ہوتا ہے تو پھر پچیس سال کی عمر تک اس سے مال روکنے کا حکم کیوں دیتے ہیں؟

جواب:

سفیہ سے اول بلوغ میں مال کو روکنا نص سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَأُولَٰئِكَ الْأُمَلُّ ۚ﴾ اور ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ وَأُولَٰئِكَ الْأُمَلُّ ۚ﴾ یہ حکم یا تو معصیت کی وجہ

سے بطور سزا دیا گیا ہے یا خلاف قیاس ہے لہذا اس پر دوسرے کے مسائل کو قیاس نہیں کیا جائے گا۔

خطا کا بیان

الخطاء:

وہو ضد الصواب ان يفعل فعلا من غير ان يقصد قصدا تاما
یعنی خطا صواب کی ضد ہے کہ کامل ارادے کے بغیر کوئی فعل سرانجام دینا خطا کہلاتا ہے۔
جیسے کسی نے شکار کی طرف تیر پھینکا اور وہ کسی انسان کو جا لگا تو یہاں پھینکنے کا ارادہ پایا گیا ہے
مگر اس سے انسان مقصود نہیں تھا لہذا ارادہ پایا گیا ہے مگر ناقص۔

احکام:

خطا اگر مکمل ممکنہ کوشش کے بعد ہو تو حقوق اللہ کے ساقط ہونے میں قابل قبول عذر
ہے۔ البتہ حقوق العباد کے معاملے عذر نہیں ہوگی۔ لہذا بندے نے کسی کی بکری کو شکار سمجھ کر
تیر پھینک دیا یا غیر کے مال کو اپنا سمجھ کر کھالیا تو ضمان دینا ہوگا۔

نوٹ:

خطا حقوق اللہ تعالیٰ میں بھی عقلاً عذر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے
فرمان اور نبی کریم ﷺ کی دعا ”ربنا لا تؤاخذنا ان نسينا او اخطانا“ سے عذر بن گئی۔
اسی طرح خطا عقوبات میں شبہ کے درجے میں ہوتی ہے جس کی وجہ سے عقوبات ساقط ہو جا
تی ہیں یہاں تک کہ خطا کرنے والا گنہگار نہیں ہوتا ہے اور حدود و قصاص کے ذریعے اس کا مو
اخذہ نہیں ہوتا ہے۔ البتہ چونکہ خاطی سے کوتاہی سرزد ہوتی ہے اسلئے یہ خطا جزاء قاصر یعنی
کفارہ کا سبب بن جاتی ہے۔ لہذا اگر مرد کے پاس شب زفاف میں غیر عورت بھیج دی گئی
اور اس نے اپنی زوجہ سمجھ کر اس کے ساتھ وطی کر لی تو اس پر نہ تو زنا کا گناہ ہوگا نہ ہی حد لازم
آئے گی البتہ کوتاہی کی جزاء لازم آئے گی اور وہ ہے مہر۔ ایسے ہی قتل خطا میں اس پر نہ تو

قتل کا گناہ ہو گا نہ ہی قصاص البتہ کوتاہی کی جزائے ناقص لازم آئے گی اور وہ ہے دیت۔
 البتہ خطاء طلاق دیدے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے کیونکہ دل کا ارادہ امر باطن ہے جس پر
 بلا ہر اطلاع ناممکن ہے اس لئے سبب ظاہر پر حکم دیا جائے گا۔ مثلاً کوئی اپنی زوجہ کو انت
 عالمہ کہنا چاہ رہا تھا غلطی سے انت طالق نکل گیا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ مصنف علیہ
 الرحمہ مکرہ پر قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خاطی کی بیع بھی بطور بیع فاسد منعقد ہو جانی
 چاہئے۔ بیع اسلئے ہوگی کہ اہل سے اس کا سبب صادر ہوا ہے اور فاسد اس لئے کہ رضا نہیں پا
 ئی گئی۔

سفر کا بیان

سفر:

لغوی معنی ہے قطع مسافت

اصطلاحی معنی:

هو الخروج المديد عن موضع الإقامة على قصد السير وادناه ثلاثة ايام
 ولياليها سير الابل ومشى الاقدام

یعنی سفر کے ارادے سے اپنی قیام گاہ سے طویل مدت کے لئے نکل جانا جس کی ادنیٰ مساف
 فت اونٹ کے چلنے میں اور پیدل چلنے میں تین دن اور تین رات ہے شرعی سفر کہلاتا ہے۔
 احکام:

سفر تخفیف یعنی آسانی کا سبب ہے۔

لہذا یہ چار رکعتوں والی نمازوں کے قصر میں مؤثر ہے۔ یہاں تک ہمارے نزدیک ان کو بلا
 قصر پڑھنا جائز ہے کہ شرع نے بلا قصر مشروع کیا ہی نہیں ہے امام شافعی علیہ الرحمہ صوم پر
 قیاس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ سفر میں فرض چار ہی ہے اور قصر رخصت ہے لہذا جس

نے چار پڑھیں اس عزیمت پر عمل کیا اور جس نے دو پڑھیں اس نے رخصت کو اختیار کیا۔
ہماری دلیل یہ حدیث ہے ﴿عن عائشة قالت فرضت الصلوة رکعتین فاقرت
صلوة السفر﴾

وزید فی الحضر ﴿متفق علیہ﴾ معلوم ہوا سفر میں فرض رکعتیں دو ہی ہیں۔ یہی وجہ
ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس پر مواظبت فرمائی۔

اسی طرح یہ حدیث بھی ہے۔ ﴿عن ابن عمر انه قال صحبت رسول اللہ ﷺ فی
السفر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ وصحبت ابا بکر فلم یزد علی
رکعتین حتی قبضہ اللہ وصحبت عمر فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ
تعالی وصحبت عثمان فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہ اللہ تعالی وقد قال
اللہ تعالی لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة﴾
(رواہ البخاری)

اسی طرح روزوں کی تاخیر میں موثر ہے کہ چاہے تو روزہ رکھے چاہے تو موخر کر دے۔
لیکن چونکہ سفر امر اختیاری ہے (چاہے تو سفر کرے چاہے تو نہ کرے) کسی ایسی ضرورت کو
ثابت نہیں کرتا ہے جو تاخیر یا افطار کو لازم کرے۔ اس لئے یہ روزے میں تاخیر یا افطار کو
لازم نہیں کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسافر نے روزہ رکھ لیا یا مقیم تھا روزہ رکھا پھر مسافر ہو گیا تو
اس کیلئے روزہ توڑنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جب اس نے روزہ رکھ لیا تو روزے کا وجوب
مزید پختہ ہو گیا اور کوئی ضرورت بھی نہیں پائی جا رہی ہے جو داعی الی الافطار ہو۔ بخلاف
مریض کے کہ اگر وہ روزہ رکھ لے یا تندرست تھا روزہ رکھ لیا پھر مریض ہو گیا تو اس کیلئے
روزہ توڑنا جائز ہے کیونکہ مرض سفر کے برعکس امر سماوی ہے البتہ مسافر اگر مذکورہ دونوں
صورتوں میں روزہ افطار کر لے تو اس پر کفارہ واجب نہیں ہوگا کیونکہ سفر (جو کہ دوران سفر
روزہ نہ رکھنے کو مباح کرتا ہے) کا وجود کفارے کے وجوب میں شبہ پیدا کر رہا ہے اور شبہ

سے کفارہ ساقط ہو جاتا ہے۔

اسی طرح مقیم اگر روزہ افطار کر لے پھر مسافر ہو جائے تو اس سے کفارہ ساقط نہیں ہوگا کیونکہ سفر مہیج جو کہ وجوب کفارے میں شبہ پیدا کرتا ہے وہ یہاں نہیں پایا گیا۔ بخلاف مریض کے (جیسا کہ اس کا ذکر ہو چکا ہے)



اکراہ کا بیان

اکراہ:

الا کراہ ہوان یجبر القادر غیرہ علی امر لا یریدہ لولا الخوف منه بالوعید

علی ایقاع مایوعد بہ

یعنی قادر شخص کا اپنے غیر کو ایسا کام کرنے پر مجبور کرنا جسے وہ کرنا نہیں چاہتا ہوا اگر اسے اس چیز کے وقوع کا خوف نہ ہو جس کی اسے دھمکی دی گئی ہے تو وہ یہ کام نہ کرتا۔

اکراہ کی اقسام:

اکراہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) اکراہ کامل۔

(۲) اکراہ قاصر۔

اکراہ کامل:

وہ اکراہ جو بندے کے اختیار و رضاء کو بالکل ختم کر دے اور بندہ وہ کام کرنے پر مجبور

ہو جائے۔

مثلاً: قتل یا کوئی عضو کاٹنے کی دھمکی دی جائے۔ اسکو اکراہ ملجی بھی کہتے ہیں۔

اکراہ قاصر:

وہ اکراہ جو بندے کی رضاء کو تو ختم کر دے باقی اختیار کو فاسد نہ کرے نہ وہ کام

کرنے پر مجبور کرے اسکو اکراہ غیر ملجی بھی کہتے ہیں جیسے ضرب یا طویل مدت قید کی دھمکی دی جائے۔

احکام:

اکراہ کوئی بھی ہواہلیت کے منافی نہیں ہے (نہ اہلیت وجوب کے نہ اہلیت اداء کے) نہ اسکی وجہ سے خطابات شرعیہ ساقط ہوتے ہیں۔ کیونکہ مکراہ آزمائش میں ہوتا ہے جیسے انسان حالت اختیار میں آزمائش میں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مکراہ کو جس کام پر مجبور کیا جائے اس کے کرنے پر چار چیزوں میں تردد رہتا ہے کہ کوئی کام کرنے پر ثواب ملتا ہے تو کوئی کام کرنے پر گناہ۔

اور وہ چار چیزیں یہ ہیں۔

(۱) فرض۔

(۲) حظر یعنی ممنوع۔

(۳) اباحت۔

(۴) رخصت۔

فرض و اباحت کی مثال:

مردار کھانے پر اکراہ کامل کیا جائے تو اس وقت مردار ”مباح“ ہوگا بندے پر ”فرض“ ہے کہ اپنی جان بچانے کیلئے اسکو کھائے ورنہ گنہگار ہوگا کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے ﴿الاما اضطررتم الیہ﴾۔

حظر کی مثال:

زنا یا بے گناہ کے قتل یا کوئی عضو کاٹنے پر اکراہ کیا جائے (کامل ہو کہ ناقص) تو بندے پر وہ کام ”حرام“ ہے ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا۔ صبر کرے اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر ملے گا۔



رخصت کی مثال:

کہ کلمہ کفر کہنے، نماز فاسد کرنے، پر، مقیم کو روزہ توڑنے پر، ماغیر تلف کرنے پر، حالت احرام میں جنایت کرنے پر یا عورت کو زنا کرنے پر اکراہ کامل کیا جائے تو ان سب کاموں کی رخصت ہے۔ اگر یہ کام نہ کرے اور مصیبت پر صبر کرے تو عند اللہ اجر ملے گا۔

اباحت و رخصت میں فرق:

اباحت میں وہ کام مباح ہو جاتا ہے اگر نہ کرے اور مارا جائے تو بندہ گناہگار ہوتا ہے۔ جبکہ رخصت میں کام تو وہی ممنوع ہی رہتا ہے صرف اس کا گناہ ختم ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بندہ وہ کام نہ کرے اور صبر کرے تو عند اللہ ماجور ہوتا ہے۔

فرق:

اکراہ کامل میں زنا مرد کیلئے حرام ہوتا ہے اور عورت کیلئے اس کی رخصت ہوتی ہے۔ تو ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ مرد کا زنا قتل کے منزلہ میں ہوتا ہے کیونکہ اس سے نسل کا ضیاع لازم آتا ہے کہ زانی سے نسبت ثابت نہیں ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس پر بچے کا نفقہ بھی واجب نہیں ہوتا ہے اور ماں چونکہ کمانے سے عاجز ہوتی ہے اس لئے وہ بچے کے اخراجات پر قادر نہیں ہوتی ہے لہذا مرد کا اقدام بچے کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ جبکہ عورت سے بچے کا نسب بہر طور پر ثابت ہوتا ہے۔ تو اس کا زنا قتل کے معنی میں

نہیں ہوگا۔

یہی وجہ ہے کہ عورت کے حق میں اکراہ قاصر حد زنا کے ساقط ہونے میں شبہ کا فائدہ دیتا ہے۔ بخلاف مرد کے کہ جب اکراہ کامل اس کے حق میں زنا کی رخصت ثابت نہیں کرتا ہے تو اکراہ ناقص حد زنا کے ساقط ہونے میں شبہ کا فائدہ کیسے دے سکتا ہے۔ البتہ اکراہ کامل اس کے حق میں ”استحساناً“ حد کے ساقط ہونے میں شبہ کا فائدہ دیتا ہے لہذا اس پر حد واجب نہیں

ہوگی۔

حاصل کلام:

اس تمام بحث سے ثابت ہوا کہ اکراہ بندے کے اقوال و افعال میں سے کسی بھی چیز کو باطل نہیں کرتا ہے بشرطیکہ کوئی ایسی دلیل نہ پائی جائے جو اسکے قول و فعل کو تبدیل کر دے جیسے غیر مکرہ یعنی اطاعت کرنے والے کے اقوال و افعال درست ہوتے ہیں بشرطیکہ کوئی ایسی دلیل نہ پائی جو اسکے قول و فعل کو تبدیل کر دے لہذا اسکے طلاق اور عتاق درست ہونگے اور مال غیر کے ضیاع پر ضمان واجب ہوگا جیسے غیر مکرہ اپنی زوجہ سے کہے ”انت طالق“ تو تکلم کے فوراً بعد طلاق واقع ہو جاتی ہے البتہ اگر اسکے ساتھ تعلیق ذکر کردی (جیسے ان دخلت الدار) تو طلاق واقع نہیں ہوتی ہے یہی حال مکرہ کا بھی ہے۔
اکراہ کا اثر:

اکراہ کا اثر دو چیزوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

(۱) اکراہ جب کامل ہو تو اسکا اثر نسبت کی تبدیلی میں ظاہر ہوتا ہے کہ فعل کی نسبت مکرہ سے پھلوں مکرہ کی طرف ہو جاتی ہے مگر اس کیلئے شرط ہے کہ اس تبدیلی میں کوئی مانع نہ ہو اور وہ فعل تبدیلی کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

(۲) اکراہ جب قاصر ہو تو اسکا اثر بندے کی رضاء فوت ہونے میں ظاہر ہوتا ہے یعنی اسکی وجہ سے صرف رضاء فوت ہوتی ہے۔ اختیار ختم نہیں ہوتا ہے۔ لہذا اکراہ کامل ہو یا قاصر اس سے وہ تمام تصرفات فاسد ہونگے جو فتح کا احتمال رکھتے ہیں اور رضاء پر موقوف ہوتے ہیں جیسے بیع، اجارہ وغیرہ۔ اور ان کے علاوہ دیگر تصرفات نافذ ہو جائیں گے جیسے طلاق عتاق وغیرہ۔ اسی طرح اکراہ کی صورت میں (خواہ کامل ہو یا قاصر) ہر قسم کا اقرار باطل ہوتا ہے کیونکہ اقرار کیلئے مجربہ کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے اور اکراہ مجربہ کے نہ ہونے پر دلیل ہوتا ہے کیونکہ بندہ صرف اپنے سے ضرر کو دور کرنے کیلئے اقرار کرتا ہے۔ نہ کہ مجربہ کے پائے

جانے کی وجہ سے اور ایسی صورت میں بندے کی ”جانب صدق“ کو نہیں بلکہ ”جانب کذب“ کو ترجیح دی جاتی ہے لہذا اسکے اقرار کا حکم ثابت نہیں ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اسی طرح اگر عورت کو مجبور کیا جائے کہ وہ مال کے عوض خلع قبول کر لے اور وہ قبول بھی کر لے اور مدخول بہا بھی ہو تو طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ اس کیلئے رضاء نہیں صرف قبولیت چاہیے ہوتی ہے اور وہ پائی گئی ہے۔ البتہ مال واجب نہیں ہوگا کیونکہ اکراہ رضاء باسبب (یعنی عقد خلع پر رضامندی) اور حکم (یعنی وجوب مال) دونوں کو باطل کر دیتا ہے اور رضاء نہ ہونے سے مال واجب نہیں ہوتا ہے گویا اس نے مال کا ذکر ہی نہیں کیا ہے لہذا مال کے بغیر طلاق واقع ہوگی۔ جیسے صغیرہ کو اس کا شوہر مال کے عوض طلاق دیدے تو وہ اسکے قبول کرنے پر موقوف ہوتی ہے۔ اگر قبول کر لے تو قبولیت پائے جانے کی وجہ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن مال لازم نہیں ہوتا ہے۔

اعتراض:

جب اکراہ طلاق میں ہزل جیسا ہے تو ہزل کی طرح اکراہ میں بھی طلاق اور مال دونوں ثابت ہونے چاہئیں؟۔

جواب:

ہزل اور اکراہ میں فرق ہے کیونکہ ہزل صرف رضاء بال حکم کو باطل کرتا ہے رضاء بالسبب کو نہیں اسی وجہ سے یہ خیار شرط کی طرح ہے جبکہ اکراہ رضاء بالسبب اور رضاء بال حکم دونوں کو باطل کر دیتا ہے۔

اسی طرح اگر اکراہ کامل ایسے افعال کے بارے میں ہو جن کی نسبت کی تبدیلی میں کوئی مانع نہ ہو اور وہ تبدیلی کی صلاحیت بھی رکھیں تو فعل کی نسبت مکہرہ کی طرف کی جائے گی۔ فاعل یعنی مکہرہ محض آلہ ہوگا مکہرہ کیلئے۔ کیونکہ اکراہ کامل بندے کے اختیار کو فاسد

کر دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں مکڑہ کا اختیار صحیح ہوتا ہے اور ”فاسد“ ”صحیح“ کے مقابلے میں معدوم ہوتا ہے۔ لہذا مکڑہ بے اختیار کے منزلہ میں ہوگا مکڑہ کیلئے محض ایک آلہ ہوگا۔ لہذا مکڑہ نے اگر کسی کو قتل کر دیا یا کسی کا مال غصب کر لیا تو اگرچہ فاعل یہی ہے لیکن اسکی نسبت مکڑہ کی طرف کی جائے گی اور قصاص و ضمان اسی پر واجب ہوگا۔

اور اگر ایسے افعال ہوں جن میں مکڑہ کو مکڑہ کا آلہ قرار نہ دیا جاسکے تو انکی نسبت مکڑہ کی طرف نہیں کی جائے گی لہذا ”اختیار صحیح“ اور ”اختیار فاسد“ کے درمیان نسبت حکم میں معارضہ بھی نہیں ہوگا کیونکہ ان کے درمیان یہاں کوئی تعارض واقع نہیں ہوا ہے چنانچہ فعل کی نسبت مکڑہ کی طرف ہی کی جائے گی جیسے طلاق، عتاق، وطی اور کھانا وغیرہ یہ تمام افعال دوسرے کی زبان یا دوسرے کے عضو سے ممکن نہیں ہیں۔

نوٹ:

آلہ نہ بننے کی صورت میں تمام اقوال اور بعض افعال داخل ہیں۔

اسی طرح نفس فعل تو غیر کی طرف منسوب ہو سکے اور فاعل اس میں غیر کا آلہ بھی بن سکے مگر اس کو غیر کا آلہ بنانے سے ”محل فعل مکڑہ علیہ“ (یعنی محل جنایت) تبدیل ہو جائے تو فعل کی نسبت مکڑہ کی طرف نہیں کی جائے گی بلکہ مکڑہ کی طرف ہی کی جائے گی۔ مثلاً محرم کو شکار کے قتل پر اکراہ کامل کیا گیا تو اس میں قیاس تو یہ تھا کہ دونوں میں سے کسی پر بھی جنایت لازم نہ آئے مکڑہ پر تو اسلئے کہ وہ حلال ہے (اگر حالت احرام میں نہ ہو) اور مکڑہ پر اسلئے کہ وہ مجبور ہے۔ لیکن استحسانا فاعل (مکڑہ) ہی پر جنایت لازم آئے گی کیونکہ مکڑہ نے اس کو ابھارا ہے کہ وہ حالت احرام میں جنایت کرے اور ایسی صورت میں یہ دوسرے کا آلہ نہیں بن سکتا کیونکہ اس سے لازم آئے گا کہ محل جنایت مکڑہ کا احرام ہے (اگر وہ بھی محرم ہے) اور یہ محال ہے کیونکہ کوئی شخص دوسرے کے احرام میں جنایت نہیں کر سکتا۔ نیز یہ مکڑہ کے مدعی اور مقصود کے بھی خلاف ہے کیونکہ اس نے تو فعل غیر کے احرام میں واقع کروایا ہے جبکہ مکڑہ

کو آلہ تسلیم کر لینے سے اس کے خلاف لازم آئے گا۔ مزید اس کا اکراہ بھی باطل ہو جائے گا کیونکہ فعل اسکے مقصود کے خلاف واقع ہوا ہے۔ اور جب اسکا اکراہ باطل ہو جائے گا تو پھر ثابت ہو جائے گا کہ فعل اپنے محل اول کی جانب لوٹ آیا ہے یعنی مکڑہ کے احرام کی طرف کیونکہ فعل کے منتقل ہونے کا سبب تو اکراہ تھا اور وہ باطل ہو چکا ہے تو جب اکراہ باطل ہو گیا تو انتقال فعل بھی باطل ہو گیا اور فعل اپنے محل اول کے ساتھ ثابت ہو گیا۔



ضابطہ کلیہ:

یہاں سے یہ قاعدہ کلیہ معلوم ہوا کہ جب فاعل کو آلہ قرار دینے سے محل جنایت تبدیل ہو جائے تو فعل کی نسبت فاعل کی طرف کی جائے گی۔

لہذا مکڑہ علی القتل میں قتل کا گناہ قاتل پر لازم آئے گا۔ یعنی گناہ کی حیثیت قاتل کی طرف کی جائے گی۔ کیونکہ اس فعل میں مکڑہ نے ممنوعہ کام کا ارادہ کیا ہے اور وہ ہے قتل ناحق اور ارادہ ”عمل قلب“ ہے جس میں وہ ”غیر قلب“ کا آلہ نہیں بن سکتا کیونکہ انسان دوسرے کے دل سے ارادہ نہیں کر سکتا ہے جیسے دوسرے کی زبان سے بات نہیں کر سکتا لہذا قتل کا گناہ بھی اسی پر لازم آئے گا۔ کیونکہ قتل گناہ کی حیثیت سے قاتل کے دین پر جنایت ہے۔ جس میں وہ آلہ غیر نہیں بن سکتا کیونکہ دوسرے کیلئے گناہ کماؤ ممکن نہیں ہے جیسے قرآن پاک میں مذکور ہے ﴿لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ اور اگر اسکو آلہ غیر قرار دے دیا جائے تو یہ فیہا محل جنایت تبدیل ہو جائے گا۔ البتہ وہ کسی بھی شے کے تلف کرنے میں آلہ غیر بن سکتا ہے اسلئے اتلاف کی نسبت آمر کی طرف کی جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی کو کسی شے کی بیع کرنے پر اور پھر بیع کو مشتری کے حوالے کرنے پر اکراہ کامل کیا جائے تو فعل تسلیم (یعنی حوالے کرنا) کی نسبت مکڑہ کی طرف کی جائے گی یہاں تک کہ مشتری کیلئے بعد قبضہ ملک فاسد بھی ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ بیع مکمل کرنے میں تسلیم مباشر کا ہی تصرف ہے۔ اس میں وہ آلہ غیر نہیں

بن سکتا۔ کیونکہ اگر اسکو آلہ غیر بنادیا جائے تو ”محل فعل“ اور ”ذات فعل“ دونوں تبدیل ہو جائیں گے کیونکہ اس صورت میں مکڑہ کا فعل مکڑہ کا فعل بن جائے گا جس سے لازم آئے گا کہ آمر نے بلا وجہ شرعی مامور کا مال لیا ہے اور یہ غصب کہلاتا ہے یوں لازم آئے گا کہ مکڑہ نے محل منصوب میں تصرف کیا ہے حالانکہ آمر نے مکڑہ کو محل بیع میں تصرف کرنے کا حکم دیا تھا۔ اس طرح سے محل فعل تبدیل ہو جائے گا۔ اور ذات فعل یعنی تسلیم بھی غصب محض میں تبدیل ہو جائے گی۔

اعتراض:

ہر فعل جس میں صلاحیت ہو کہ فاعل کو آلہ غیر بنادیا جائے تو اس کی نسبت مکڑہ کی طرف کی جاتی ہے اسی طرح تسلیم بحیثیت ”اتلاف قبضہ ملک“ اور بحیثیت ”غصب“ اس بات کی صلاحیت رکھتی ہے کہ فاعل کو اس میں آلہ غیر بنایا جائے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ تسلیم کو مکڑہ پر مقہر کر دیا!

جواب:

ہم تسلیم نہیں کرتے کہ ہم نے مکڑہ کو مذکورہ جہت سے آلہ غیر نہیں بنایا ہے۔ بلکہ ہم نے اسی جہت سے اسکو آلہ غیر بنایا ہے یہی وجہ ہے کہ ہم نے تسلیم کو بحیثیت اتلاف وغصب مکڑہ کی طرف منصوب کیا ہے۔ جس بنا پر مکڑہ کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ آمر یوم تسلیم کی قیمت وصول کرے یا بصورت ہلاکت مال مشتری سے ضمان لے۔

نوٹ:

جب ثابت ہو چکا کہ مکڑہ سے مکڑہ کی طرف فعل کا انتقال امر حکمی ہے تو انتقال کے درست ہونے کی دو شرطیں ہیں۔

(۱) انتقال ایسے فعل میں ہو جس کا مکڑہ کی جانب سے پایا جانا معقول ہو (۲) اس فعل کا وجود غیر حسی ہو۔ (کیونکہ اگر حسی ہوگا تو اسکی نسبت مکڑہ کی طرف حقیقی ہوگی نہ کہ حکمی)

لہذا اگر کسی کو غلام آزاد کرنے پر اکراہ ملجی کیا جائے تو اعتاق کی نسبت مکڑہ کی طرف کی جائے گی نہ کہ مکڑہ کی طرف کیونکہ یہاں انتقال کی شرط نہیں پائی گئی ہے۔ اسلئے کہ مکڑہ کیلئے غیر معقول ہے کہ وہ مکڑہ کی زبان سے غلام آزاد کرے۔ البتہ مکڑہ کی جانب سے غلام کی مالیت کا اطلاق معقول و ممکن ہے لہذا اسکی نسبت اسکی طرف کی جائے گی اور فاعل یعنی مکڑہ اسے ضامن بنائے گا۔

اعتراض:

جب مکڑہ کی طرف اعتاق کا انتقال درست نہیں ہے تو پھر اعتاق سے حاصل ہونے والے اطلاق کا انتقال بھی درست نہیں ہونا چاہئے۔

جواب:

اطلاق اعتاق سے فی الجملہ جدا ہے اس لئے کہ عید کو قتل کرنے کی صورت میں اطلاق تو پایا جاتا ہے مگر اعتاق نہیں پایا جاتا ہے لہذا یہ اپنی اصل کے ساتھ یعنی ابتداء منتقل ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے جیسے مکڑہ کے غلام کو بصورت قتل تلف کر دیا جائے تو یہ تلف مکڑہ سے صادر ہونے کے بعد ابتداء مکڑہ کی طرف منتقل ہو جائے گا۔

نوٹ:

اکراہ کے یہ تمام احکام ہمارے نزدیک ہیں۔

امام شافعی علیہ الرحمہ کا مذہب:

اگر اکراہ ناحق ہو تو مکڑہ کے تمام تصرفات قولی لغو قرار دئے جائیں گے کیونکہ قول کی صحت رضاء و اختیار پر موقوف ہوتی ہے۔ اور یہ قول انسان کے فانی الضمیر کا ترجمان و دلیل ہوتا ہے لہذا رضاء و اختیار نہ ہونے کی صورت میں اسکا قول باطل ہوگا۔ اسی طرح قول و فعل کے ابطال میں دائمی جس کا اکراہ اکراہ بالقتل جیسا ہوتا ہے۔ اور اگر اکراہ کامل کسی فعل کے بارے میں ہو خواہ اسکی نسبت مکڑہ کی طرف ممکن ہو یا نہ ہو تو اگر یہ اکراہ اکراہ تام ہو تو فعل کا

حکم فاعل سے مکمل طور پر ساقط ہو جائے گا۔ اور اکراہ کا تام ہونا یہ ہے کہ وہ فعل مکروہ علیہ کو مباح کر دے جیسے مال غیر کے اتلاف یا شرب خمر پر ”اکراہ بالقتل“ یا ”اکراہ بالحبس الدائم“ کیا جائے تو یہ چیزیں مباح ہو جاتی ہیں۔

لہذا اس فعل کی نسبت مکروہ کی طرف ممکن ہو تو کریں گے جیسے مال غیر کے اتلاف کی نسبت ورنہ وہ فعل مکمل طور پر باطل ہو جائے گا۔ جیسے روزہ افطار کرنے پر اکراہ کرنا۔ اور اگر اکراہ تام نہ ہو تو فاعل کا وہ فعل باطل نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کا مواخذہ کیا جائے گا۔

نوٹ:

امام شافعی علیہ الرحمہ نے ناحق کی قید اسلئے لگائی ہے کہ اگر اکراہ حق ہو تو اسکے تصرفات قولی و فعلی

درست ہوتے ہیں۔ جیسے حربی کو اسلام لانے پر مجبور کیا جائے اور وہ اسلام قبول کر کے یا قاضی قرض دار کو مال فروخت کرنے پر مجبور کرے اور وہ فروخت کر دے تو ایسے تمام تصرفات درست ہوں گے۔ کیونکہ یہ تصرفات مطلوب شرع ہیں جو کہ برحق ہیں۔

حروف معانی کا بیان

حروف معانی کا بنیادی طور پر تعلق علم نحو سے ہے۔ لیکن چونکہ بعض مسائل فقہیہ کا تعلق ان سے ہے اس لئے فائدے کے پیش نظر ان کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے حروف عاطفہ کو ذکر کیا گیا ہے کیونکہ یہ اسماء و افعال دونوں پر داخل ہوتے ہیں بخلاف حروف جر و کلمات شرط کے کہ حروف جر افعال پر داخل نہیں ہوتے ہیں اور کلمات شرط اسماء پر داخل نہیں ہوتے ہیں۔

حروف عاطفہ:

واو

حروف عاطفہ میں واو اصل ہے۔



ہمارے نزدیک یہ مطلقاً جمع کیلئے آتی ہے عام اہل لغت اور ائمہ فتویٰ کا یہی مذہب ہے
محض مقارنت کیلئے نہیں آتی ہے جیسے بعض احناف کا مذہب ہے نہ محض ترتیب کیلئے آتی ہے
جیسے بعض شوافع کا مذہب ہے۔

اعتراض:

اگر کوئی شخص احنبیہ سے کہتا ہے ”ان نکحتک فانک طالق و طالق و طالق“ تو امام
اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک صرف ایک طلاق واقع ہوگی باقی لغو ہو جائیں گی البتہ صاحبین
علیہما الرحمہ کے نزدیک تینوں طلاقیں واقع ہوں گی معلوم ہوا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے نزدیک واؤ جمع کیلئے نہیں بلکہ ترتیب کیلئے آتی ہے یہی وجہ ہے کہ پہلی واقع ہونے کے
بعد بقایا دو کا محل باقی نہ رہا اسلئے وہ واقع نہیں ہوئیں!

جواب:

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک واؤ مطلقاً جمع کیلئے ہی آتی ہے مذکورہ مثال
میں ترتیب واؤ سے نہیں بلکہ کلام کے تقاضے و ضرورت سے ثابت ہے کیونکہ ”ان نکحتھا
فھی طالق“ جملہ تامہ ہے۔ اپنے مابعد کا محتاج نہیں ہے جبکہ ”و طالق و طالق“ جملہ ناقصہ
ہے۔ جو کہ جملہ اولیٰ پر موقوف ہے کیونکہ جملہ ناقصہ اپنا معنی بتانے میں تامہ کا محتاج ہوتا ہے
تو جب جملہ ناقصہ کا ”فھی طالق“ پر عطف کر دیا گیا تو طلاق ثانی کا ایک واسطہ اور طلاق
ثالث کا دو واسطوں سے شرط کے ساتھ تعلق ہو گیا۔ اس طرح تینوں طلاقیں میں ترتیب قائم
ہو گئی۔ لہذا جب پہلی واقع ہوئی اور بقایا دو کا محل باقی نہ رہا تو بالترتیب دوسری دو لغو ہو گئیں۔

اعتراض:

ضابطہ ہے کہ ”لا یمجوز نکاح الامۃ علی الحرۃ“ یعنی آزاد عورت پر باندی کا
نکاح جائز نہیں ہے۔ (ایسی صورت میں صرف آزاد عورت کا نکاح صحیح ہوتا ہے) اگر فضولی

نے دو باندیوں کا نکاح کسی ایک شخص کے ساتھ ایک یا دو عقدوں میں مالک کی اجازت کے بغیر کر دیا۔ تو وہ نکاح مالک کی اجازت یا دونوں کے آزاد ہونے پر موقوف ہوگا۔ اب اگر مالک نے دونوں کو ایک ساتھ آزاد کر دیا تو دونوں کا نکاح صحیح ہو جائے گا کیونکہ یہاں جمع ”بین الحرة والامة“ ثابت نہیں ہوا۔ اور دونوں کو علیحدہ علیحدہ یکے بعد دیگر آزاد کیا تو پہلی کا نکاح صحیح ہوگا دوسری کا نہیں کیونکہ آزاد عورت پر باندی کا نکاح ناجائز ہے۔ اسی طرح اگر ان کو عطف کے ذریعے آزاد کرے مثلاً یوں کہے ”اعتقت هذه وهذه“ تو دوسری کا نکاح باطل ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا اور ترتیب کیلئے آتی ہے نہ کہ مطلقاً جمع کیلئے۔

جواب:

مذکورہ مثال میں ترتیب مقتضی کلام سے ثابت ہے۔ کیونکہ کلام کا پہلا حصہ ”اعتقت هذه“ جملہ کاملہ ہے جو کہ مابعد ”وهذه“ پر موقوف نہیں ہے۔ اسی طرح مابعد میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں جو ماقبل کو تبدیل کر دے لہذا متکلم نے جب پہلا جملہ ادا کیا تو پہلی والی باندی آزاد ہو گئی اور دوسری والی باندی رہ گئی اور قاعدہ کے مطابق آزاد پر باندی کا نکاح نہیں ہو سکتا اس لئے دوسری کا نکاح باطل ہو گیا۔

اعتراض:

اگر ترتیب مقتضی کلام سے ثابت ہوتی ہے تو یہ ترتیب اس کلام میں بھی ثابت ہونی چاہئے کہ فضولی نے دو بہنوں کا نکاح دو عقدوں میں کسی ایک شخص کے ساتھ کر دیا۔ اس شخص کو خبر پہنچی تو اس نے کہا ”اجزت هذه وهذه“ تو اس سے پہلی والی بہن سے نکاح درست ہو نا چاہئے جیسے دو باندیوں سے نکاح کی صورت میں پہلی سے نکاح درست ہوتا ہے (کما مر تفصیلہ انفا) جبکہ آپ کہتے ہیں دونوں نکاح باطل ہو جاتے ہیں۔

اعتراض:

ایک قول یہ بھی ہے کہ ”اجزت هذه وهذه“ میں ایک دوسرا اعتراض ہے وہ یہ ہے

کہ ”اس کلام میں واؤ مقارنت فی الزمان پر دلالت کر رہا ہے اسلئے دونوں نکاح باطل ہیں۔
کیونکہ اگر وہ جدا جدا کلام کے ذریعے اجازت دیتا تو پہلی کے ساتھ نکاح درست ہوتا اور
صرف دوسری کے ساتھ باطل ہوتا۔

جواب:

اول کلام یعنی ”اجزت ہذہ“ جواز نکاح کیلئے وضع کیا گیا ہے لیکن جب اس کے سا
تھ آخر کلام یعنی وھذہ مل گیا تو اس نے پہلے والے کے جواز کو ختم کر دیا کیونکہ اس سے جمع
بین الاتین لازم آ گیا جو کہ حرام ہے لہذا آخر کلام اول کلام کیلئے شرط واستثناء کے درجے
میں ہو گیا۔ یعنی اگر وہ صرف اول کلام کہہ کر خاموش ہو جاتا تو پہلی کے ساتھ نکاح درست ہو
تا اور دوسری کے ساتھ باطل مگر جب اس نے آخر کلام کو اسکے ساتھ ملا دیا تو اس نے پہلے
والے حکم کو تبدیل کر دیا۔

لہذا معلوم ہوا یہاں دونوں نکاحوں کے بطلان کا سبب یہ نہیں ہے کہ واؤ مقارنت پر دلالت
کر رہا ہے۔

اور اعتراض اول کا جواب یہ ہے کہ نکاح امتین پر قیاس کرتے ہوئے پہلی کے ساتھ نکاح کو
جائز قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ وہاں اعتقت ہذہ آخر کلام ”وھذہ“ پر موقوف نہیں تھا اس
لئے کہ یہ اول کلام کیلئے مغیر نہیں تھا لیکن یہاں اجزت ہذہ آخر کلام ”وھذہ“ پر موقوف ہے
کیونکہ یہ اول کلام کیلئے مغیر ہے۔

واؤ جملہ کاملہ پر بھی داخل ہوتا ہے:

کبھی واؤ عطف جملہ کاملہ پر داخل ہوتا ہے۔ اس وقت یہ ”جملہ معطوفہ“ کے مبتداء کیلئے
”جملہ معطوف علیہ“ کی خبر میں مشارکت کو ثابت نہیں کرتا ہے لہذا اگر کوئی کہے ”ھذہ
طالق ثلاثا وھذہ طالق“ تو پہلی پر تین اور دوسری پر ایک طلاق واقع ہوگی۔

کیونکہ ان میں سے ہر ایک جملہ تام ہے کوئی کسی کا محتاج نہیں ہے۔ اور اگر معطوف جملہ نا

قصہ ہو تو اپنی کاملیت کیلئے اس لفظ کا محتاج ہوگا جس سے جملہ معطوف علیہ کامل ہوا ہے۔ اور بعینہ اسکا بھی وہی حکم ہوگا جو جملہ معطوف علیہ کا ہے۔ جیسے کوئی کہے ”ان دخلت الدار فانت طالق و طالق“

تو اس میں طلاق ثانی بعینہ اسی شرط پر معلق ہوگی جس پر پہلی طلاق معلق ہے۔ یہ طلاق ثانی مستقل شرط کا تقاضہ نہیں کر رہی ہے۔ لہذا ایسا نہیں ہوگا کہ گویا متکلم نے طلاق ثانی کے ساتھ اس کی شرط کا بھی اعادہ کیا ہے۔ کیونکہ بعینہ اسی شرط پر دوسری طلاق کو معلق کرنا کافی ہے۔ چنانچہ ”ان دخلت الدار فانت طالق و طالق کو ان دخلت الدار فانت طالق ان دخلت الدار فانت طالق“ کے درجے میں ماننے اور اسکو تقدیری عبارت کے طور پر ماننے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اضمار اصل کے خلاف ہوتا ہے کیونکہ اس میں غیر منطوق کو منطوق کے درجے میں کر دیا جاتا ہے۔ لہذا اسکی طرف بوقت ضرورت رجوع کیا جاتا ہے۔

فائدہ:

دوسری طلاق کیلئے دوسری شرط مقدر نہ ماننے کا فائدہ اس جیسی مثالوں میں ظاہر ہوگا کہ اگر کوئی کہے ”کلما حلفت بطلاقك فانت طالق“ پھر وہ اپنی زوجہ سے کہے ”ان دخلت الدار فانت طالق و طالق“ تو ایک ہی یمین ہوگی اور ایک ہی طلاق واقع ہوگی اور اگر تقدیر شرط کا اعادہ مان لیتے تو یہاں دو طلاقیں واقع ہوتیں۔ فافہم!

نوٹ:

جاءنی زید و عمرو میں عمرو سے پہلے جاءنی مقدر ماننا پڑے گا کیونکہ ایک بحیث میں دو افراد کی شرکت غیر متصور ہے۔ لہذا ضرورت کے پیش نظر دوسرا جاءنی مقدر مانا گیا ہے۔ اسی طرح واؤ کبھی مجاز حال کے معنی کیلئے بھی آتا ہے۔ اسلئے کہ حال اور ذوالحال کے درمیان جمع کا معنی پایا جاتا ہے۔ کہ حال ذوالحال کو اپنے ساتھ جمع کر لیتا ہے۔ جیسے قولہ

تعالیٰ ”حتیٰ اذا جاؤھا وفتح تحت ابوابھا“ (یہاں تک کہ ایمان والے جنت میں آئیں گے اس حال میں کہ اسکے دروازے کھلے ہونگے) اسی طرح فقہاء نے کہا کہ اگر کوئی آدمی اپنے غلام سے کہے ”اذا لی الفاوانت حر“ اسی طرح حربی سے کہے ”انزل وانت امن“ تو ہزار کی ادائیگی کے بغیر غلام آزاد نہیں ہوگا اور اترے بغیر حربی کو امان نہیں ملے گی۔
فاء:

فاء وصل وتعقیب کیلئے آتا ہے۔ یعنی معطوف معطوف علیہ کے بعد متصلاً بلا تاخیر

پایا جاتا ہے۔

مثلاً:

کسی نے اپنی عورت سے کہا ”ان دخلت هذه الدار فهذه الدار فانت طالق“ اب اگر عورت پہلے گھر میں داخل ہونے کے بعد متصلاً بلا تاخیر دوسرے گھر میں بھی داخل ہوگئی تو اس پر طلاق واقع ہوگی۔ اور اگر دوسرے گھر میں تاخیر سے داخل ہوئی یا صرف ایک گھر میں داخل ہوئی یا دونوں میں داخل نہ ہوئی یا پہلے دوسرے گھر میں داخل ہوئی پھر پہلے گھر میں داخل ہوئی تو ان تمام صورتوں میں طلاق واقع نہ ہوگی۔

نوٹ:

قاعدہ تو یہ ہے کہ فاصرف احکام پر داخل ہو کیونکہ حکم علت پر مرتب ہونے کی وجہ سے بعد میں پایا جاتا ہے۔ اور علت پر اس لئے داخل نہیں ہوتا کہ یہ پہلے پائی جاتی ہیں۔ البتہ کبھی خلاف اصل مجازاً فاء علت پر بھی داخل ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ علت دائمہ ہو۔ کیونکہ علت جب دائمہ ہوگی تو یہ حکم کے بعد بھی پائی جائے گی اس طرح سے تعقیب ثابت ہو جائے گی جیسے کسی قیدی سے کہا جائے ”ابشر فقد اتاك الغوث“ (تجھے خوشخبری ہو تیرا مددگار آ گیا) یہاں غوث ابشار یعنی خوشخبری دینے کی علت ہے۔ جو کہ ابشار کے بعد بھی پایا جائے گا یا در ہے اس فاء کو ”فاء تعلیل“ بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ لام تعلیل کے معنے میں ہوتا ہے۔ اسی

طرح مولیٰ اپنے غلام سے کہے ”اِذَا إِلَى الْفَا فَا نْتَ حَر“ یہاں عتق ”ادائے ہزار“ کی علت ہے جو کہ دائمی ہے کہ یہ ہزار کی ادائیگی کے بعد بھی باقی رہے گا اس طرح یہ مترانخی عن الحکم کے مشابہ ہو گیا اور تعقیب ثابت ہو گئی لہذا افاء کا دخول اس پر درست ہو گیا۔ اور چونکہ علت اصلاً معمول پر مقدم ہوتی ہے تو غلام کو مولیٰ نے گویا پہلے آزاد کیا پھر اسکو ہزار کی ادائیگی کا حکم دیا لہذا ”فَا نْتَ حَر“ کہتے ہی فی الفور آزاد ہو جائے گا ہزار کی ادائیگی پر اسکا عتق موقوف نہیں رہے گا۔

ثم:

ثم ترانخی کیلئے آتا ہے یعنی معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان دونوں سے متعلقہ فعل میں ترانخی ثابت کرتا ہے۔ ترانخی کس نوعیت کی ہے اس بارے میں اختلاف ہے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب:

ثم کمال ترانخی کیلئے آتا ہے یعنی حکم اور تکلم دونوں میں ترانخی ہوتی ہے کیونکہ اسکو مطلق ترانخی کیلئے وضع کیا گیا ہے اور مطلق ہمیشہ اپنے فرد کامل کی طرف لوٹتا ہے لہذا اس کا تقاضہ ہے کہ حکم و تکلم دونوں میں ترانخی ہو۔ تکلم میں اگرچہ لفظاً اتصال ہوتا ہے لیکن چونکہ اس میں کمال ترانخی ہوتی ہے تو گویا متکلم نے کلام اول پر سکوت کیا پھر نئے سرے سے کلام ثانی کو ادا کیا۔

صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مذہب:

ترانخی وجود حکم میں ہوتی ہے نہ کہ تکلم میں تکلم میں تو اتصال ہوتا ہے کیونکہ ظاہر میں لفظ ثانی لفظ اول سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ تو ان الفاظ کو تکلم میں جدا کیسے قرار دیا جاسکتا ہے نیز عطف اتصال کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ انفصال کے ساتھ۔

اختلاف کا ثمرہ:

شوہراپنی غیر مدخولہ بیوی سے کہے ”انت طالق ثم طالق ثم طالق ان دخلت

الدار

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک گویا شوہر نے انت طالق کہہ کر سکوت کیا پھر اگلے الفاظ کہے لہذا اس پر ایک طلاق واقع ہوگی بقایا محل نہ ہونے کی وجہ سے لغو ہو جائیں گی۔
صاحبین علیہما الرحمہ کے نزدیک تینوں ”شرط دخول دار“ کے ساتھ معلق ہوں گی۔ جیسے ہی دخول دار پایا جائے گا تو بالترتیب طلاقیں واقع ہوں گی۔ البتہ یہاں محل چونکہ صرف ایک طلاق کا ہے تو ایک ہی طلاق واقع ہوگی بقایا لغو ہوں گی۔

نوٹ:

ثم کبھی مجاز واؤ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ”ثم کان الذین آمنوا“ اس میں ثم واؤ کے معنی میں ہے۔

بل:

بل کو وضع کیا گیا ہے اپنے مابعد کو ثابت کرنے اور اپنے ماقبل سے اعراض کرنے کیلئے یعنی غلطی کے تذراک کے طور پر معطوف کو ثابت کرنے اور معطوف علیہ سے اعراض کرنے کیلئے آتا ہے۔

جیسے کہا جاتا ہے۔ ”جاء زید بل عمرو“ (میرے پاس زید آیا بلکہ عمرو آیا) اس مثال میں زید کی مجہشت سے اعراض اور عمرو کی مجہشت کو ثابت کیا گیا ہے۔

فائدہ:

ماقبل سے اعراض وہاں کیا جائے گا جہاں ممکن ہوگا جیسے اخبار میں اور اگر ممکن نہ ہو

(جیسے)

انشاءات میں) تو وہاں بل عطف محض کیلئے ہوگا اور مابعد کو قبل کے ساتھ ملاتے ہوئے دونوں کو علی سبیل الجمع ثابت کرے گا نہ کہ علی سبیل الترتیب اسی وجہ سے ائمہ ثلاثہ علیہم الرحمہ فرماتے ہیں کسی شخص نے اپنی غیر مدخولہ عورت سے کہا ”ان دخلت الدار فانت طالق

واحدة لابل ثنتين "تو دخول دار پائے جانے کی صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہوگی کیونکہ یہاں بل انشاء میں استعمال ہوا ہے جس نے اپنے مابعد و ماقبل دونوں کو علی سبیل الجمع ثابت کیا ہے۔ البتہ بل کی جگہ واؤ استعمال ہو مثلاً یوں کہا "ان دخلت الدار فانت طالق واحدة و ثنتين" تو امام اعظم علیہ الرحمہ کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی باقی محل نہ رہنے کی وجہ سے لغو ہوگی کیونکہ طلاق اول بلا واسطہ دخول دار پر معلق ہے اور آخری دو بلا واسطہ۔

بل استعمال کرنے کی صورت میں تینوں اسلئے واقع ہوئی ہیں کہ جب بل ماقبل کے ابطال اور مابعد کو اسکے قائم مقام بنانے کیلئے آتا ہے تو یہاں بھی اسکے تقاضے میں سے ہے کہ مابعد کو شرط کے ساتھ بلا واسطہ متصل کرے بشرطیکہ ماقبل کو باطل کر چکا ہو لیکن یہاں ماقبل کو باطل کرنا قائل کیلئے ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ وہ انشاءات میں سے ہونے کی وجہ سے شرط کے ساتھ علی سبیل اللزوم متعلق ہو چکا ہے۔ البتہ قائل کیلئے یہ ممکن ہے کہ مابعد کو علیحدہ شرط کے ساتھ جدا کر دے تاکہ مابعد شرط کے ساتھ بلا واسطہ متعلق ہو جائے لہذا اسکو ایسا کر دیا جائے کہ گویا مابعد کے ساتھ بھی شرط مذکور تھی جسے اختصار کیلئے حذف کر دیا گیا ہے لہذا آخری دو طلاقیں بھی شرط پر بلا واسطہ معلق ہوں گی اور متکلم کا کلام دو یمنیوں کے ساتھ حلف اٹھانے کے درجے میں ہو جائے گا۔ گویا اس نے یوں کہا ہے "ان دخلت الدار فانت طالق واحدة" پھر اس کے بعد کہا "ان دخلت الدار فانت طالق ثنتين" لہذا اگر وہ ایک مرتبہ گھر میں داخل ہو جائے تو تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔

لکن:

لکن نفی کے بعد استدراک کیلئے آتا ہے یعنی ماقبل کلام کی وجہ سے پیدا ہونے والے وہم کو دور کرنے کیلئے آتا ہے۔ جیسے ما جاءنی زید لکن عمروا
نوٹ:

”استدراک بعد انفی“ کی قید ”عطف المفرد علی المفرد“ کی صورت میں ہے اور اگر

کلام میں دو مختلف جملے ہوں ایک مثبت دوسرا منفی تو وہاں بھی استدراک کیلئے لکن کا استعمال جائز ہے لکن مخفف اور مشدود دونوں طرح آتا ہے مخفف ہو تو عاطفہ ہوتا ہے اور مشدود ہو تو

حرف مشبہ بالفعل ہوتا ہے البتہ دونوں صورتوں میں استدراک کا فائدہ دیتا ہے۔

لکن حرف عطف:

لکن حرف عطف اس وقت ہوتا ہے جب کلام میں اتساق ہوتا ہے اتساق یہ ہے کہ کلام

کا مابعد ماقبل کا تداراک کر سکے اسکی دو شرطیں ہیں (۱) ”کلام کا بعض دوسرے بعض کے

ساتھ متصل ہو“ (۲) ”نفی ایک چیز کی طرف راجع ہو اور اثبات دوسری چیز کی طرف راجع

ہوتا کہ ان دونوں کو جمع کرنا ممکن ہو اور دونوں میں تناقض نہ ہو“

نوٹ:

ان میں سے کوئی بھی شرط مفقود ہو جائے تو اتساق نہیں رہے گا اور کلام مستأنف ہوگا۔

عطف کی مثال:

کسی کے قبضے میں غلام ہو اور وہ اقرار کرے انہ لفلان مقر کہے ما کان لی قط

لکنہ لفلان آخر اگر لفلان آخر کو ماقبل کے ساتھ ملا کر کہے تو پورے کلام میں اتصال

پایا جائے گا اور نفی ماقبل اثبات مابعد کی طرف راجع ہوگا لہذا یہاں اتساق پایا گیا البتہ اس

نے اقرار کو اپنی ذات سے دوسرے کی طرف پھیرا ہے اسکی تردید نہیں کی ہے لہذا دوسرا شخص

اس کا مستحق ہوگا۔

اگر اتساق کی کوئی شرط مفقود ہو تو اتساق بھی فوت ہو جائے گا اور کلام مستأنف ہوگا۔

مثلاً:

فضولی نے غافلہ بالذہ کا نکاح کسی کے ساتھ سو درہم میں کیا۔ خبر پہنچنے کے بعد اس عورت نے

کہا ”لا اجیز النکاح لکن اجیزہ بمائۃ و خمسین“ تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔ کیونکہ

اس میں نفی و اثبات دونوں ایک ہی چیز یعنی نکاح کی طرف راجع ہیں اور یہ تناقض ہے۔
لہذا اتساق نہیں پایا گیا اور لکن استیناف کیلئے ہو گیا چنانچہ لکن اجیزہ بمائۃ و خمسين
کلام مستأنف قرار پائے گا۔

البتہ عورت اگر یوں کہے ”لا اجیزہ بمائۃ لکن اجیزہ بمائۃ و خمسين“ تو نکاح ہو
جائے گا کیونکہ یہاں نفی و اثبات دو مختلف چیزوں یعنی مائۃ اور مائۃ و خمسين کی طرف
راجع ہیں۔

او:

او کو احد المذکورین میں سے بلا تعین کسی ایک کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ یہ دو اسموں یا دو
فعلوں کے درمیان واقع ہو تو دونوں میں سے کوئی ایک مراد ہوگا۔ اور اگر دو جملوں کے درمیا
ن واقع ہو تو کسی ایک مضمون کے حصول کا فائدہ دے گا۔ اور اگر خبر میں داخل ہو تو باعتبار
”محل کلام“ شک کا فائدہ دے گا۔ جیسے ”جاء زید او خالد“ چونکہ اس میں آنے والے
کی خبر دینا مقصود ہے مگر بلا تعین تو کلام میں محل کے اعتبار سے شک پیدا ہو گیا کہ آنے والا
ان دونوں میں سے کون ہے؟ اور اگر یہ ابتداء میں داخل ہو جیسے اضرب زیدا او عمرو
یا انشاء میں داخل ہو جیسے هذا حر او هذا توتخیر کا فائدہ دے گا کہ دونوں میں سے جسے
چاہے اختیار کر لے۔ کیونکہ ابتداء میں او دونوں کو شامل ہوتا ہے بلا تعین اور غیر معین میں فعل
انجام دے کر اہتمام (حکم کی بجا آوری) کا تصور ممکن نہیں ہوتا ہے۔ لہذا اہتمام کو ممکن بنانے
کیلئے تخیر ثابت کر دی گئی۔ اسی طرح انشاء میں بھی بلا تعین دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ لہذا
ابہام کو دور کرنے کیلئے تخیر ثابت کر دی گئی۔ چونکہ شک و تخیر محل کلام کے اعتبار سے ثابت ہو
تے ہیں۔ اور او دو چیزوں میں سے کسی ایک کیلئے آتا ہے بلا تعین۔ لہذا جو کہے ”هذا
حر او هذا“ تو یہ کلام جب شرعا انشاء اور لغتا خبر ہے تو یہ خبر کا بھی احتمال رکھتا ہے۔ لہذا انشاء
کے اعتبار سے او تخیر کو ثابت کرے گا متکلم جسے چاہے اختیار کرے اور یہ کلام خبر ہونے کے

احتمال پر بیان کو ثابت کرے گا نہ کہ تخیر کو لہذا اس بیان کو من وجہ انشاء بنایا جائے گا اور من وجہ اظہار خبر سابق۔ جہت انشاء اگر موضع تہمت میں ہو تو ضروری ہوگا متکلم جس کو اختیار کرے وہ محل صالح بھی ہو۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ دونوں غلاموں میں سے اسے اختیار کرے جس کا انتقال ہو چکا ہو۔ اور اس جہت سے کہ یہ خبر سابق کا بیان ہے قاضی اس پر جبر بھی کر سکتا ہے

او عموم کیلئے آتا ہے:

او مجاز عموم کیلئے بھی آتا ہے اس وقت یہ واؤ کے معنی میں ہوتا ہے۔ اگر یہ مقام نفی میں واقع ہو تو عموم افراد پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے کوئی کہے لا اکلم فلانا او فلانا یہاں واؤ بمنزلہ عطف کے ہے لہذا اسٹ ہر ایک کے تکلم کو عام ہوگا لہذا جس سے بھی کلام کرے گا حائث ہو جائے گا لیکن چونکہ او عین واؤ نہیں ہے لہذا اگر دونوں سے کلام کرے تب بھی ایک مرتبہ حائث ہوگا اور ایک یمین کا کفارہ واجب ہوگا۔ اور اگر مقام اباحت میں واقع ہو تو عموم اجتماع پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے کوئی کہے ”لا اکلم احدا الا فلانا او فلانا یہاں واؤ مقام اباحت میں ہے اور واؤ کے معنی میں ہے لہذا متکلم کیلئے دونوں سے بات کرنا جائز ہے۔

او بمعنی حتی:

او مجاز حتی کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہ وہاں ہوتا ہے جہاں عطف کا معنی درست نہ ہو کہ دونوں کلام مختلف ہوں۔ ایک اسم ہو دوسرا فعل ہو ایک ماضی ہو دوسرا مضارع ہو یا ایک مثبت ہو دوسرا منفی ہو وغیرہ نیز اس میں غایت کے معنی کا احتمال بھی ہو کہ اول کلام اس حیثیت سے ممتد ہو کہ آخر کلام اس کے لئے غایت بن سکے۔ جیسے کوئی کہے ”واللہ لا ادخل هذه الدار او ادخل هذه الدار“ (اللہ کی قسم میں اس گھر میں داخل نہیں ہوں گا یہاں تک کہ اس گھر میں داخل ہو جاؤں) یہاں عطف نہیں ہو سکتا کیونکہ ادخل فعل منصوب

ہے اور اس سے پہلے فعل منصوب نہیں جس پر اسکا عطف صحیح ہو سکے نیز پہلا کلام منفی ہے اور دوسرا مثبت ہے اور آخر کلام اول کیلئے غایت بننے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ کیونکہ اول کلام میں ممانعت و تحریم ہے جس کو غایت ختم کر دیتی ہے۔ لہذا او کے مجازی معنی پر عمل واجب ہو گیا۔

چنانچہ اگر صاحب یمین اولاً دوسرے گھر میں داخل ہو پھر پہلے گھر میں داخل ہو تو قسم پوری ہو جائے گی اور وہ حانث نہیں ہوگا۔ اور اگر اولاً پہلے گھر میں داخل ہو پھر دوسرے میں داخل ہو تو وہ حانث ہو جائے گا۔

حتی:

حتی غایت کیلئے آتا ہے۔

فائدہ:

حتی جیسے اسماء پر داخل ہوتا ہے اسی طرح افعال پر بھی داخل ہوتا ہے۔ یہ کبھی غایت کیلئے آتا ہے کبھی مسببت کے لئے کبھی لام کی کے معنی میں مجازاً کیلئے آتا ہے۔ اور کبھی محض عطف کیلئے آتا ہے۔ لیکن اصلاً غایت کیلئے آتا ہے لہذا جب تک ممکن ہوگا غایت کیلئے لایا جائے گا اور اس امکان کی شرط یہ ہے کہ حتی کا ماقبل امتداد کی صلاحیت رکھے اور مابعد اشتاء پر دلالت کرنے کی صلاحیت رکھے اور اگر یہ شرط نہ پائی جائے تو مسببت کیلئے لام کی کے معنی میں استعمال کیا جائے گا بشرطیکہ یہ ممکن ہو ورنہ عطف محض کیلئے استعمال ہوگا۔

امام محمد علیہ الرحمہ کتاب الزیادات میں فرماتے ہیں:

معنی غایت کی وجہ سے اگر کوئی شخص کہے ”عبدی حوران لم اضربك حتی تصیح“ (میرا غلام آزاد ہے اگر میں تجھے نہ ماروں یہاں تک کے تو چیخے) اور وہ غایت (یعنی چیخ) کے پائے جانے سے پہلے مار ختم کر دے تو اس کا غلام آزاد ہو جائے گا۔ اسی

طرح اگر بالکل بھی نہ مارے تب بھی حائث ہو جائے گا۔

حتی لام گی کے معنی میں:

اگر حتی کے اصل معنی کی بشرط نہ پائی جائے تو یہ لام گی کے معنی میں سبب کیلئے آتا ہے

بشرطیکہ یہ معنی ممکن ہو۔ جیسے کوئی کہے "عبدی حران لم آتک غذا حتی تغدینی"

(میرا غلام آزاد ہے اگر میں کل صبح تیرے پاس نہ آؤں یہاں تک کہ تو مجھے ناشتہ کرائے)

اگر بندہ صبح پہنچا اور مخاطب نے ناشتہ نہیں کرایا تو حائث نہیں ہوگا۔ کیونکہ اتیان اگرچہ امتداد

کی صلاحیت رکھتا ہے لیکن تقد یہ غایت پر دلالت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔ کیونکہ یہ

احسان ہے اور احسان کسی کے آنے کی انتہاء نہیں بنتا ہے بلکہ مزید آنے کا سبب بنتا ہے

۔ لہذا یہاں حتی غایت کے لئے نہیں بلکہ سبب کیلئے آیا ہے۔

حتی فاء کے معنی میں:

اگر حتی غایت و سمیت کیلئے نہ آئے تو یہ فاء کے معنی میں عطف محض کیلئے آتا ہے یہ اس

وقت ہوتا ہے کہ جب حتی کے ماقبل و مابعد دونوں فعل ایک ہی شخص کے ہوں جیسے کوئی

کہے "عبدی حران لم آتک حتی اتغدی عندک" (میرا غلام آزاد ہے اگر میں تیرے

پاس نہ آؤں پس تیرے پاس ناشتہ کروں) یہاں اتیان و تغد یہ دونوں شخص واحد کے فعل

ہیں۔ تو جیسے تقد یہ اتیان کیلئے غایت نہیں بن سکتا ہے اسی طرح اس کا سبب بھی نہیں بن سکتا

کیونکہ اتیان علی الغیر آنے والے کے لئے اس غیر کے پاس ناشتہ کرنے کا سبب نہیں بنتا ہے

۔ لہذا حتی عطف کے لئے آیا ہے۔ کیونکہ بندے کا اپنا فعل اپنے ہی فعل کیلئے جزاء بننے کی

صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔ چنانچہ یحییٰ پوری کرنے کا تعلق دونوں افعال سے ہوگا تعقیباً متصلاً

بلا تاخیر۔ لہذا اگر آنے کے بعد تاخیر سے ناشتہ کرے یا ناشتہ ہی نہ کرے یا نہ آئے تو حائث

ہو جائے گا۔

نوٹ:

غایت اور تعقیب میں مجانست ہے۔ کہ ”حتی کا مابعد ماقبل کیلئے غایت بنتا ہے اور یہ غایت باعتبار وجود متاخر ہوتی ہے جیسے فاء کا مابعد باعتبار وجود ماقبل سے متاخر ہوتا ہے۔“ اسلئے حتی کو برائے عطف محض فاء کے معنی میں لایا جاتا ہے۔

حروف جارہ

باء:

یہ الصاق کیلئے آتا ہے۔ جیسے کوئی کہے ”ان خبرتنی بقدم فلان فعبدی حر“ (اگر تو نے مجھے فلاں کے آنے کی خبر دی تو میرا غلام آزاد ہے) اب اگر مخاطب ”فلاں“ کے آنے کی خبر دے اور وہ فی الواقع آیا بھی ہو تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ صدق خبر کی شرط اسلئے لگائی ہے کہ الصاق کا تقاضہ ہے کہ باء کا ماقبل مابعد کے ساتھ ملصق یعنی ملا ہوا ہو اور جب متکلم نے کہا ”ان خبرتنی بقدم فلان“ تو اس کا مطلب ہے ”ان خبرتنی خبر املصقا بقدم فلان“ لہذا قدم فلاں کے بغیر الصاق کیونکر ممکن ہو سکتا ہے؟

علی:

علی ”للا الزام“ یعنی علی کسی چیز کو لازم کرنے کیلئے آتا ہے جیسے کوئی کہے ”علی الف“ تو یہ قرض کا اقرار ہوگا کیونکہ قرض لازم ہوتا ہے اور علی بھی لزوم کو بتانے کیلئے آتا ہے۔ لہذا جب اس نے

”علی الف“ کہا تو اس نے اپنے اوپر ہزار کے لازم ہونے کا اقرار کیا ہے۔

اور کبھی یہ شرط کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے قولہ سبحانہ و تعالیٰ ﴿يَا بَاعِنِكَ عَلِي﴾

ان لا يشركن بالله شيئا ﴿﴾

نوٹ:

مصنف علیہ الرحمہ نے علی کے ”معنی شرط“ کو مجاز قرار نہیں دیا کیونکہ علی کا شرط کے معنی میں ہونا اس اعتبار سے ہے کہ جزاء کا تعلق شرط کے ساتھ ہوتا ہے جس کی وجہ سے شرط کے پائے جانے پر جزاء کا وجود لازم ہو جاتا ہے۔

اسی طرح علی کا مابعد بھی ماقبل کیلئے شرط ہوتا ہے کہ ماقبل کے پائے جانے پر مابعد کا وجود لازم ہو جاتا ہے یوں علی کا شرط والا معنی حقیقت کے بہت قریب ہے۔ اسلئے اس معنی کو مجاز قرار نہیں دیا۔

علی باء کے معنی میں:

علی جب معاوضات محضہ میں استعمال ہو (یعنی ایسے عقود جن میں عوض اصل ہو کہ کبھی بھی اس سے جدا نہ ہوتے ہوں) تو مجازاً باء کے معنی میں ہوگا۔ کیونکہ ان میں اسکے حقیقی معنی پر عمل متعذر ہے لہذا اس کو مجازاً الصاق پر محمول کیا جائے گا کہ یہ اسکے حقیقی معنی کے منہا سب ہے۔ کیونکہ جب کوئی چیز کسی کو لازم ہوتی ہے تو وہ اسکے ساتھ ملحق بھی ہوتی ہے۔ جیسے اگر کوئی کہے ”بعتک علی کذا، اجرتک علی کذا یا نکحت علی کذا“ تو یہ بعتک بکذا، اجرتک بکذا اور نکحت بکذا کے معنی میں ہوگا۔

من:

من نحاۃ کے نزدیک اصلاً ابتداء غایت کیلئے آتا ہے جیسے ”سرت من البصرة الى

الکوفة“

اسکے علاوہ اسکے دیگر معان تبعاً آتے ہیں۔ جیسے یہ کبھی تبعیض کیلئے آتا ہے جیسے ”اخذت من الدراهم“ کبھی تبیین کیلئے آتا ہے جیسے قولہ تعالیٰ ”فاجتنبوا الرجس من الاوثان“ بعض فقہاء کے نزدیک من تبعیض کیلئے آتا ہے کیونکہ یہ اکثر اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اسی وجہ سے امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کہے ”أعتق من عبیدی من شئت عتقہ“ (تو میرے غلاموں میں سے جسے چاہے آزاد کر دے) تو

مخاطب ایک غلام کے سوا باقی غلاموں کو آزاد کر سکتا ہے۔ کیونکہ من موصولہ عموم کا تقاضہ کرتا ہے اور من تبعض کا لہذا ان دونوں پر عمل اسی طرح ممکن ہوگا۔

صاحبین علیہما الرحمہ کے نزدیک سب کو آزاد کر سکتا ہے کیونکہ من موصولہ تو عموم کیلئے آتا ہے اور من جیسے تبعض کیلئے آتا ہے اسی طرح تبیین کیلئے بھی آتا ہے لہذا ”من عبیدی“ ”من شئت“ کیلئے بیان ہے۔ چنانچہ کل میں سے ایک غلام کو کم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اگر متکلم ”اعتق من عبیدی من شاء عتقه“ (میرے غلاموں میں سے جو بھی آزاد ہونا چاہے اسے آزاد کر دو) کہے اور سب آزادی چاہیں تو وہ سب کو آزاد کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں متکلم نے ”من عبیدی“ سے ثابت ہونے والی بعصیت و خصوصیت کو من شاء کی صفت عامہ کے ساتھ متصف کر دیا ہے۔ جس نے صفت خصوص کو ختم کر دیا ہے۔

الی:

یہ انتہاء غایت کیلئے آتا ہے۔ اور یہاں غایت سے مراد مسافت ہے۔ اور یہ معنی ”اطلاق الجزء علی الكل“ کے قبل سے ہے۔ کیونکہ غایت مسافت کا آخری جزء ہے۔ اسلئے کہ مسافت کے دو جزء ہوتے ہیں ایک اول دوسرا آخر اول کیلئے من آتا ہے اور آخر کیلئے الی آتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے ”سرت من البصرة الى الكوفة“ تو وہ مسافت جو بصرہ اور کوفہ کے درمیان پائی گئی اسکا آغاز بصرہ سے اور انتہاء کوفہ پر ہوئی جن دونوں کو من اور الی سے بیان کیا ہے۔

فائدہ:

غایت اگر قائم بالذات ہو متکلم کے تکلم سے پہلے پائی جائے اور اپنے وجود کیلئے

محتاج غیر نہ ہو تو وہ مغیا میں داخل نہیں ہوگی جیسے ”دیوار“ کہ کوئی کہے لاہ من ہذہ

الحائط الى هذه الحائط ﴿تو دیوار ثانی مغیا میں داخل نہیں ہوگی۔ اور اگر غایت قائم بالذات نہ ہو مگر صدر کلام اس کو شامل ہو تو اسکا ذکر اسکے ماوراء کو خارج کرنے کیلئے اور خود اسکو مغیا میں داخل کرنے کیلئے کیا جاتا ہے۔ جیسے قولہ تعالیٰ ﴿وايدىكم الى المرافق﴾ یہاں مرافق قائم بالذات نہیں ہیں بلکہ اپنے وجود میں ایدی کے محتاج ہیں اور صدر کلام (یعنی ایدی) غایت (یعنی مرافق) کو شامل ہے۔ کیونکہ ”اید“ (بغل) تک ہوتا ہے لہذا اسکا ذکر مابعد یعنی کہنی کے بعد کو خارج کرنے اور خود کہنی کو مغیا میں داخل کرنے کیلئے کیا گیا ہے۔ اور اگر صدر کلام اس کو شامل نہ ہو یا شامل ہونے میں شک ہو تو اس کو (یعنی غایت کو) اسلئے ذکر کیا جاتا ہے تاکہ حکم اس تک محدود ہو لہذا ایسی صورت میں وہ مغیا میں داخل نہیں ہوتی ہے جیسے قولہ تعالیٰ ﴿واتموا الصيام الى الليل﴾

فی:

یہ ظرفیت کیلئے آتا ہے۔ ہمارے ائمہ کا یہاں تک تو اتفاق ہے البتہ اسکے ذکر و حذف میں اختلاف ہے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ ذکر و حذف میں فرق کرتے ہیں جبکہ صاحبین علیہ الرحمہ کے نزدیک دونوں برابر ہیں۔ لہذا امام اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اگر فی لفظوں میں مذکور نہ ہو تو ظرف مفعول بہ کی طرح فعل کے استیعاب کا تقاضہ کرے گا بشرطیکہ اسکو تبدیل کرنے پر کوئی دلیل نہ پائی جائے جیسے کوئی کہے ﴿ان صمت الدهر فعبدی حر﴾ اب اگر حالف ساری زندگی روزے نہ رکھے تو وہ حائث نہیں ہوگا۔ اور اگر فی لفظوں میں مذکور ہو تو ظرف تقاضہ کرے گا کہ فعل اسکے کسی جزء میں واقع ہو جیسے کوئی کہے ”ان صمت فی الدهر فعبدی حر“ پھر متکلم روزہ رکھے اور اس حال میں تھوڑا سا وقت گزر جائے تو وہ حائث ہو جائے گا کیونکہ فعل ظرف کے ایک جزء میں پایا گیا ہے۔

فی کا مجازی معنی:

جب اس کا حقیقی معنی مراد لینا متعذر ہو تو مجازاً مقارنت کیلئے استعمال ہوگا جیسے

”انت طالق فی دخولك الدار“ اس کا معنی ہے انت طالق حال مقارنتک دخول الدار
لہذا دخول دار پائے جانے پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

حروف شرط

ان:

کلمات شرط میں حرف ان اصل ہے کیونکہ یہ صرف شرط کے معنی میں استعمال ہوتا
ہے بخلاف دوسرے کلمات کے۔ یہ دو جملوں کے درمیان ربط پیدا کرنے کیلئے داخل ہوتا
ہے پہلے کو شرط دوسرے کو جزاء کہتے ہیں۔ اور یہ ایسے امر معدوم پر داخل ہوتا ہے جو متردد الو
جود ہو۔ اور جس کا وجود ناممکن ہو یا جس کا وجود ہو اس پر داخل نہیں ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ
یہ اسم پر داخل نہیں ہوتا ہے کیونکہ اسماء میں متردد الو جود کا معنی نہیں پایا جاتا ہے۔ البتہ اگر کہیں
اسم سے پہلے یہ آجاتا ہے تو یہ ما اضمر علی شرطۃ التفسیر یا تقدیم و تاخیر کے
قبیل سے ہوتا ہے۔

اذا:

اس کے بارے میں ائمہ ثلاثہ علیہم الرحمہ کا اختلاف ہے۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ و نحاۃ کو فیین کا مذہب:

اذا وقت اور شرط دونوں کیلئے آتا ہے۔ جب شرط کیلئے ہو تو وہاں وقت کے معنی سے بالکل
خالی ہوگا۔ اور ان کی طرح اس کو استعمال ہوتا ہے۔ لہذا اس کا پہلا جملہ سبب دوسرا مسبب ہو
گا اور اسکے بعد فعل مضارع پر جزم ہوگا اور اسکی جزاء پر فاء داخل ہوگا۔

جیسے شعر

واستغن ما اغناک ربک بالغنی : و اذا تصبک خصاصة فتحمل

اور جب وقت کے معنی میں مُستعمل ہو اس وقت شرط و جزاء والا معنی نہ ہوگا
 اور فعل مضارع پر جزم بھی نہ ہوگی اور جزاء پر ”ف“ بھی داخل نہ ہوگی، کما قال الشاعر
 واذا تكون كرهية ادعى لها واذا يحاس الحيس يدعني جندب

تنبیہ

اذا ”متی“ کی طرح ہے۔ البتہ ایک فرق پایا جاتا ہے کہ ”متی“ میں جزاء
 لازم ہوتی ہے اور وقت و ظرفیت ساقط نہیں ہوتے، اذا میں استفہامی انداز ہوتا ہے۔
من وما:-

ان کا استعمال مقام شرط میں ہوتا ہے یا در ہے کہ ”من“ ذوی العقول کیلئے
 مستعمل ہوتا ہے۔ مثلاً ”من ذا الذی یشفع عنده“ جبکہ ”ما“ غیر ذوی العقول کیلئے
 آتا ہے مثلاً ”ما تنفقوا من خیر“

کل وکما:-

”کل“ اپنے مدخول کے تمام افراد کو گھیر لیتا ہے اور ”کما“ شرط کیلئے آتا ہے
 اور ”جب جب یا ہر بار“ کے معنی میں ہوتا ہے، جیسے ”کُلما کانت الشمس طالقة
 فالنهار موجود“ کما کا معنی ہوگا ہر بار جب سورج نکلے ہوگا تو دن موجود ہوگا،

بحمد اللہ تعالیٰ! اصول فقہ درجہ عالیہ کی مشہور کتاب ”حسامی“ آسان اردو
 شرح بنام ”عطر نامی در شرح حسامی“ اختتام پذیر ہوئی اساتذہ فن و معلمین قارئین
 سے اسکیں موجود خوبیوں پر دعا و تحسین کا متمنی ہوں اور حوصلہ افزائی کا طالب ہوں، جبکہ
 اس میں موجود خامیوں کو چشم پوشی کرتے ہوئے مجھے اپنی تحریر کے ذریعے مطلع فرمانے
 پر شکریہ کے ساتھ تسلیم کرنے اور آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کا جذبہ پاتا ہوں

احقر العباد عارف محمود غفرلہ

۱۵ شعبان المعظم ۱۴۳۸ھ

یوم الجمعة المبارک

عرس رضا پر جلوہ گر ہونے والی خوشبودار کتاب

کلام عطرِ رضا

شرح حدائق بخشش

امام احمد رضا کی شاعری میں قرآنی تعلیمات کا بیان

ابوالحسن محمد عارف محمد بن قاسم
پروفیسر محکم

بانی انجمن تعلیم الاسلام پاکستان

والضحیٰ پبلیکیشنز

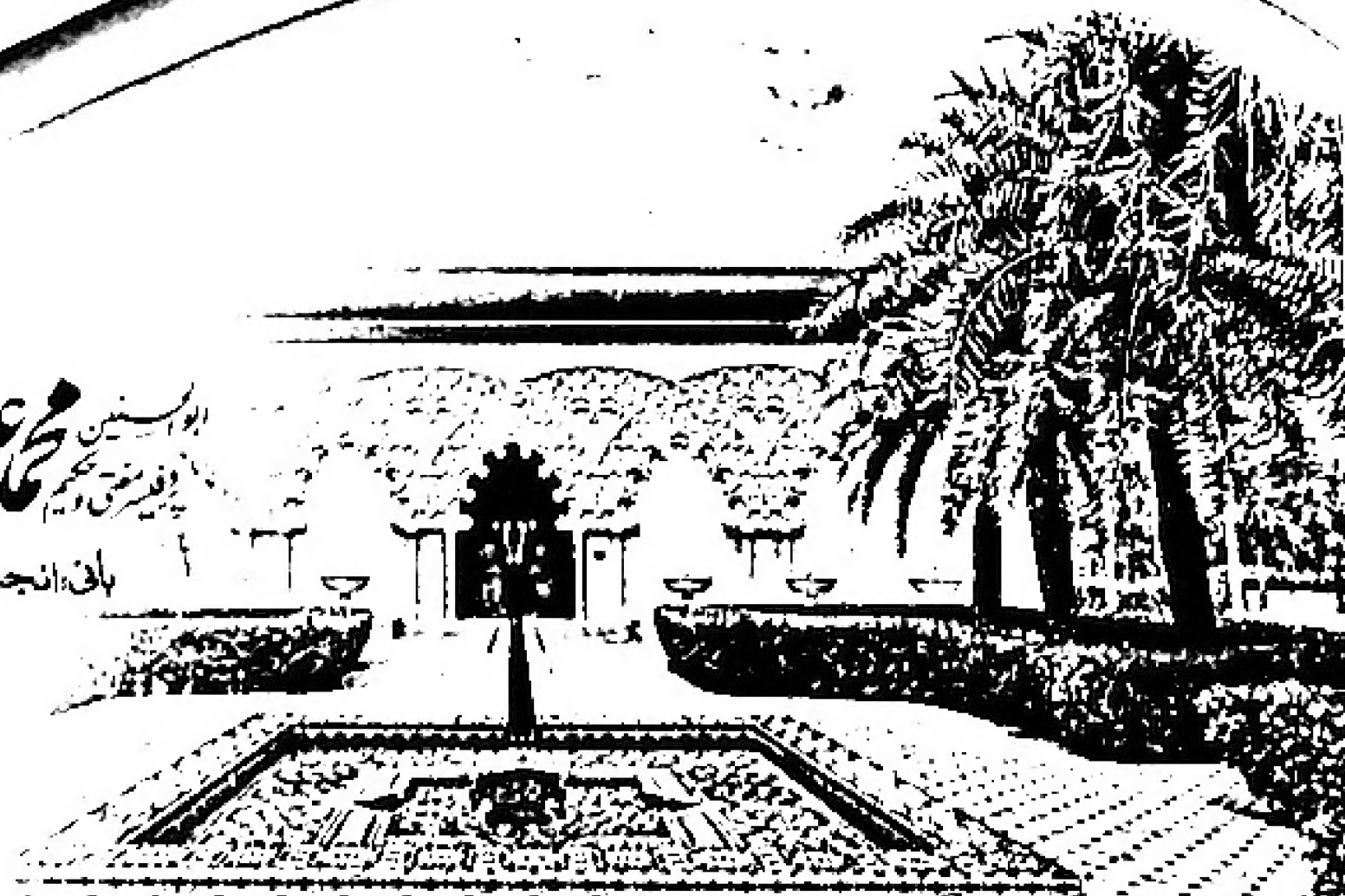
بانی علیہ سید غنی سٹریٹ اردو بازار لاہور پاکستان

0300-7259263, 0315-4959263

بنا

عطر برای شرعی

استاد محترم
مدرسین محمد عارف محمد خان قادری
بانی انجمن تعلیم الاسلام پاکستان



والضیاء
پیشانی کیشند